ماهنامه

# مِلّیَّة

فیصل آباد پاکستان

رجب المرجب ۱۴۳۱ھ بمطابق جون، جولائی 2010ء

www.milliafsd.com

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

# در مدحِ صحابہؓ

کیا کروں میں صحابہؓ کی عظمت بیاں
ان کی تعریف کرتا ہے ربِّ جہاں
جن کی آنکھوں کو دیدارِ نبوی ہوا
ان کی قسمت پہ قربان کون و مکاں
جن کا ایمان معیار حق کا بنا
مثل اُن کا نہیں لا سکا پھر زماں
ان میں بوبکرؓ و فاروقؓ و عثماںؓ علیؓ
تھے مزاجِ نبوت کے یہ راز داں
جو کہ افعال میں اور کردار میں
تھے کمالِ نبوت کی وہ ایک شاں
جن کا شُہرہ جہاں میں ہوا عدل کا
ان سا پھر مثل عالم میں ہو گا کہاں
عشقِ نبوی میں ایسے وہ سر شار تھے
حکمِ نبوی پہ وہ دے گئے اپنی جاں
دل میں ان کے نہ تھے کوئی بھی فاصلے
ان کا ایثار ہے مثلِ روزِ عیاں

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی، فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ
# مِلّیہ
فیصل آباد پاکستان

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

رجب المرجب ۱۴۳۱ھ جلد نمبر 6
بمطابق
جون، جولائی 2010ء شمارہ نمبر 7

## فہرست مضامین



بیاد
حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ
خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ

بفیض
حضرت سید نفیس الحسینیؒ
رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست
ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مدیر
حماد الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر
جواد الرحمٰن لدھیانوی

فی شمارہ 20 روپے پاکستان میں سالانہ 200 روپے
سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 40 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے
ماہنامہ ملیہ جامعہ ملیہ اسلامیہ
محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد
041-8711569
0321-6611910

ناشر......حبیب الرحمٰن لدھیانوی مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد
Decl No. 3483-85

کلمۃ الحبیب

قسط نمبر (۱)

# قادیانی عبادت گاہوں پر حملہ

## ایک خوفناک سازش

ابن النفیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

قادیانی گروہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے، کافر ہے اور مرتد ہے۔ مرتد اسلام کے قانون کے مطابق واجب القتل ہے۔ اس پر پوری امت کا اجماع ہے، کسی بھی مسلمان فرقے کو اس میں اختلاف نہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر آدمی اپنے ہاتھ میں کلاشنکوف لیکر اور اپنے جسم کے ساتھ خود کش جیکٹ پہن کر قادیانیوں کی عبادتگاہوں میں کود پڑے۔ کوئی ہوشمند اور راسخ العقیدہ مسلمان ایسے طریقہ کار کا حامی نہیں۔ یہ کام صرف اور صرف اسلامی حکومت کا ہے کہ وہ مرتد پر شرعی سزا نافذ کرے۔ عامۃ الناس اس کے ذمہ دار نہیں۔

دوسری طرف لاہور میں قادیانی عبادت گاہوں پر حملے کیا ہوئے ان کو میڈیا میں ہولوکاسٹ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ اور میڈیا کی تمام صلاحیتیں علماء کرام، دینی مدارس اور دینی جماعتوں کی بیخ کنی پر صرف ہونا شروع ہو گئیں۔

میڈیا پر ابو جہل قسم کے لوگ اقلیتوں کے حقوق اور ان کی مذہبی آزادی کے نام پر اپنی جہالت بکھیرنے گئے۔ علماء، دینی جماعتوں اور مدارس کو دہشت گردی کا منبع قرار دینا شروع کر دیا۔ ٹی وی میڈیا میں کسی بھی عالم دین کو بلا کر نہیں سنا گیا۔ حالانکہ ان حملوں کی تمام ہوشمند اور راسخ العقیدہ مسلمان شخصیات نے بھرپور مذمت کی ہے اور اب تک کرتے چلے جا رہے ہیں۔

یہ بات ریکارڈ پر رہنی چاہیے کہ ہمارے اکابر نے ہمیشہ عدم تشدد کو ملحوظ رکھتے ہوئے قادیانیوں کے خلاف تحریک چلائی۔

۱۸۸۴ء میں میرے ہی خاندان کے اکابر نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفریہ دعووں کی بنیاد پر سب سے پہلے اس پر کفر کا فتویٰ جاری فرمایا۔ پھر اس کے بعد آہستہ آہستہ تمام امت مسلمہ نے ان کو

دائرہ اسلام سے خارج قرار دیدیا۔اس پورے سواسو سالہ تاریخ میں قادیانیوں کے خلاف جتنی بھی تحریکات چلائی گئی ہیں ان میں کبھی بھی ہمارے اکابر نے تشدد کا راستہ اختیار نہیں کیا۔اس کے باوجود یہ جو کچھ ہوا یہ کیوں ہوا؟ یہ ایک بہت بڑی گھناؤنی سازش معلوم ہوتی ہے۔

۱۸۸۴ء میں جب پہلی بار خاندان علماء لدھیانہ کی طرف سے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفریہ الہامات کی بنا پر اس پر کفر کا فتویٰ دیا گیا،تو اس وقت سب علماء ہند نے اس کفر کے فتوے کی مخالفت کی تھی۔ان کے پیچھے مرزا غلام احمد قادیانی پر حسن ظن ہی تھا،اس لئے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے آپ کو آریاؤں اور عیسائیوں کے مقابلے میں مناظر کے طور پر متعارف کرایا تھا۔

مگر جب مرزا قادیانی نے اپنے پر پُرزے کھولے تو انہی علماء نے جنہوں نے خاندان علماء لدھیانہ کے فتوائے کفر کی مخالفت کی تھی بھرپور انداز میں علماء لدھیانہ کے مرزا قادیانی پر کفر کے فتویٰ حمایت کی۔پھر اس کے بعد مباحثوں مناظروں کا دور شروع ہوا مگر اس میں بھی تشدد کا عنصر نہیں آنے دیا گیا۔ہمیشہ دلائل کے ساتھ بات کی اور قانونی طریقہ اختیار کر کے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی کوشش کی۔

یہاں تک کہ ۱۹۳۵ء میں بہاولپور کی عدالت نے قادیانیوں کو باقاعدہ دائرہ اسلام سے خارج گروہ قرار دیا۔اس عدالت میں ہندوستان کے چیدہ چیدہ علماء نے آکر دلائل دیئے۔

(۱)۔ہمارے اسلاف نے قادیانیت کی تردید میں جو بھی قدم اٹھایا وہ عدم تشدد پر ہی مبنی تھا۔مباحثوں مناظروں کے ساتھ ساتھ عوامی اور قانونی سطح پر بھی تحریکیں چلائیں۔۱۹۳۱ء تک قادیانیت کے خلاف مؤثر تحریک نہ تھی۔یہی وجہ ہے کہ اس وقت تک بڑے بڑے ذی علم و سیاست قادیانیت کے فریب میں مبتلاء تھے،وہ قادیانی مسئلہ کو مولویوں کا مسئلہ سمجھتے تھی۔

مگر جب ۱۹۳۱ء میں کشمیر کے مظلوم مسلمانوں نے اپنے حقوق کے لئے تحریک شروع کی تو قادیانی اس میں پیش پیش ہو گئے۔ادھر قادیانیوں نے چالاکی یہ کی کہ انہوں نے کشمیر کمیٹی بنا کر صدر اور سیکرٹری کے عہدے اپنے پاس رکھ کر کچھ دوسرے مسلمان لیڈروں کو اس کا ممبر بنالیا،جس میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کا نام بھی شامل تھا۔ڈاکٹر اقبال اس کھیل کو نہ سمجھ سکے۔قادیانیوں نے اس کی آڑ میں اپنا مذہب پھیلانا شروع کر دیا۔چنانچہ مجلس احرار اسلام نے اس تحریک کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور قادیانیوں کے فریب سے دنیا کو آگاہ کیا۔جس کی وجہ سے بہت سے لوگ قادیانیت کے مکروفریب سے آگاہ ہو گئے۔جن میں ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم بھی شامل تھے۔

اس سے پہلے ڈاکٹر اقبال مرحوم قادیانیت کے معاملے میں نرم گوشہ رکھتے تھے۔ مگر جب مجلس احرار اسلام ہند نے اس کی اصلیت سے ڈاکٹر اقبال کو آگاہ کیا اور پھر ڈاکٹر اقبال نے بذات خود بھی اس کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے بھی قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے نہ صرف خارج دیا بلکہ حکومت ہند سے بھی مطالبہ کیا کہ وہ قادیانیوں کو الگ جماعت تسلیم کرے، اور یہ بات ببانگ دھل کہی کی قادیانی اسلام اور ملک دونوں کے غدار ہیں۔ یہ سب ہمارے ان اکابر کا صدقہ تھا جو انہوں نے پڑھے لکھے طبقے کو قادیانیوں کے دام فریب سے آگاہ کیا تھا۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم کے بیان سے پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ قادیانی مسئلہ صرف مولویوں کا نہیں بلکہ ہر مسلمان کا ہے۔

(۲)۔ ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء لاہور میں ایک بڑا جلسہ منعقد کیا گیا۔ جس کی صدارت ڈاکٹر اقبال نے کی اور اس میں تقریر کی۔ ڈاکٹر اقبال نے ایک قرارداد کے ذریعہ مجلس احرار اسلام سے مطالبہ کیا کہ

"یہ اجلاس مجلس احرار سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ کشمیر کے مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لیکر حکومت کشمیر کو اس کے چیلنج کا جواب دے"

(۳)۔ ظفر اللہ قادیانی کو جب وائسرائے ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بنانے کا اعلان کیا گیا تو بانیٔ احرار، صدر احرار، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے ہندوستان کے تمام علماء کرام کو ایک مراسلہ جاری کیا۔ جس کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"مجھے معاف فرمایا جائے۔ اگر میں یہ کہوں کہ آپ حضرات کے نزدیک کسی مسجد میں ایک مرزائی کا امام ہونا خطرہ کا باعث ہوتا ہے لیکن کسی مرزائی کا حکومت میں عہدہ حاصل کر لینا اتنا خطرناک نہیں۔ حالانکہ اس زمانہ میں مسجد کے امام کی آواز حکومت کے عہدیدار کے مقابلہ میں کوئی اثر نہیں رکھتی۔ آپ صاحبان یقین رکھئے کہ اگر خدانخواستہ ظفر اللہ مرزائی وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بن گیا تو ہزاروں تعلیم یافتہ مسلمان صرف اس کی خوشنودیٔ مزاج کے لئے ہی مرزائی ہو جائیں گے۔ جس کے خوفناک نتائج کا مقابلہ کرنا آپ کے بس کی بات نہ ہوگی۔

اندریں حالات آپ کا فرض ہے کہ آپ پوری قوت کے ساتھ حکومت پر یہ واضح کر دیں کہ تمام مرزائی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اور حکومت کا کسی مرزائی کو

مسلمانوں کے نام پر کسی قسم کا عہدہ یا ملازمت دینا ہمارے اسلامی حقوق کیساتھ انتہائی بے انصافی اور ظلم ہے۔

آپ حضرات کو صاف طور سے حکومت پر یہ واضح کر دینا چاہیے کہ اگر ظفر اللہ ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بنایا گیا تو ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ حکومت در پردہ مرزائی مذہب کو فروغ دے کر مسلمانوں کے عقائد کو فنا کرنا چاہتی ہے۔

سنئے! مرزائیت کیوں زندہ ہے؟ اس لئے نہیں کہ مسلمان انہیں کافر سمجھتے ہیں بلکہ صرف اس لئے کہ جو جماعتیں مسلمانوں کی نمائندہ جماعتیں ہونے کی دعویدار ہیں، ان میں مرزائیوں کو نہ صرف ممبر بنایا گیا بلکہ عہدے بھی دیئے گئے۔ چنانچہ مختلف مقامات کی انجمن ہائے اسلامیہ میں ان کو بطور ممبر یا عہدیدار جگہ دی گئی۔

یہی ظفر اللہ قادیانی ضلع سیالکوٹ کی طرف سے بلا مقابلہ مسلمانوں کے ووٹ پر پنجاب کونسل کا ممبر منتخب ہوتا رہا جس کی وجہ سے یہ سمجھا گیا کہ صرف چند صوفیاء اور علماء مرزائیوں کو کافر کہتے ہیں ورنہ اگر مرزائی حقیقتاً کافر ہوتے تو کوئی مسلمان جماعت نہ تو ان کو اپنا ممبر بناتی اور نہ کوئی عہدہ دیتی اور نہ ہی کوئی مرزائی مسلمانوں کے ووٹ پر کونسل میں جاتا۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کی اس اپیل پر ملک بھر میں قراردادیں پاس ہوئیں، جلوس نکالے گئے ان میں بھرپور طریقہ سے مطالبہ کیا گیا کہ یہ سیٹ مسلمانوں کی ہے، اسے مسلمانوں ہی کے سپرد کیا جائے۔ رئیس الاحرارؒ نے اسی اپیل پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ ایک وفد کی شکل میں وائسرائے ہند سے بھی ملاقات کی۔

اس وفد میں رئیس الاحرارؒ کے ساتھ میر احمد حسین شملہ والے، الٰہ آباد ہائی کورٹ کے وکیل مسٹر محمد احمد کاظمی شامل تھے۔ وائسرائے نے جواب میں کہا کہ:

”آپ ظفر اللہ کو مسلمان قرار نہیں دیتے لیکن وہ مسلمانوں کے ووٹ سے منتخب ہو کر آیا ہے“

ظفر اللہ کو دوہری حمایت حاصل تھی۔ ایک طرف سر فضل حسین تھے تو دوسری طرف ان کی تائید پر قادیانیوں کی برطانوی وفاداری کارفرما تھی۔

آخر ۱۰/اکتوبر ۱۹۳۴ء کے اخبارات میں سرکاری اعلان کے ذریعہ چوہدری ظفراللہ کو وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل کا رکن نامزد کر دیا گیا۔

(۴)۔ قادیانیوں کو چونکہ برطانوی گورنمنٹ کی سرپرستی حاصل تھی، جب مجلس احرار اسلام کی طرف سے قادیانیوں پر پے در پے اخلاقی، دینی، عوامی دباؤ بڑھایا تو قادیانیت بلبلا اُٹھی۔ تحریک کشمیر اور پھر اس کے بعد مارچ ۱۹۳۴ء میں قادیان میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کی تقریر اور بعد میں اکتوبر میں قادیان میں احرار کانفرنس، جس میں امیر شریعتؒ کا خطاب، جس کی وجہ سے قادیانیوں کے اصل حقائق ''عوام الناس اور خاص کر انگریزی پڑھا طبقہ جو کہ قادیانیوں کے دجل و فریب کو نہیں سمجھتا تھا'' کے سامنے کُھل کر آنا شروع ہو گئے۔ اس پر قادیانیوں نے اپنے خداوندانِ مغرب کو اپنی مدد کے لئے پکارا۔

چنانچہ انگریز نے اپنے خود کاشتہ پودے، جس کی وہ آبیاری کر رہا تھا، حفاظت کی ٹھانی۔ اور باقاعدہ طور پر قادیانیوں کے حق میں لندن میں اپنی پارلیمنٹ میں آواز بلند کی۔ اس کی خبر اس وقت ''سہ روزہ الجمعیۃ، دہلی'' نے ان الفاظ میں شائع کی۔

> لندن، ۲/اگست: برطانوی دارالعوام میں مسٹر ایلموٹ کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مسٹر ٹیلر نے کہا کہ احمدیہ جماعت میں کچھ عرصہ سے سخت کشیدگی کے جذبات پیدا ہو گئے ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ موسم خزاں سے احراریوں کی معاندانہ سرگرمیاں احمدیوں کے خلاف بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں، اور ان کا سلسلہ بدقسمتی سے اب تک جاری ہے۔ حکومت پنجاب ان سرگرمیوں کو نہایت غور و توجہ کے ساتھ معائنہ کر رہی ہے۔ (سہ روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی۔ ۵/اگست ۱۹۳۵ء)

(۵)۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے نہ صرف قادیانیوں کے خِلاف اخبارات میں مضامین لکھے اور تقریری سطح پر ان کی تردید کی بلکہ عملی طور پر بھی انہوں نے قادیانیوں کو ہر اُس انجمن سے باہر نکالا جو کہ مسلمانوں کے نام سے پہچانی جاتی تھی۔ انجمن حمایت اسلام سے باقاعدہ قادیانیوں کو نکالا۔

مرزا یعقوب بیگ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ جب ان کو قادیانی ہونے کی وجہ سے نکالا گیا تو وہ صدمہ سے مر گیا۔ اقبال نے بحیثیت صدر انجمن کو مشورہ دیا کہ اُسے احمدیت کے متعلق اپنی پالیسی غیر مشتبہ الفاظ میں واضح کر دینی چاہئے۔ چنانچہ ۲ فروری ۱۹۳۶ء کو انجمن کی جنرل کونسل نے زیر

صدارت خلیفہ فضل حسین بہ تحریک عبدالمجید ایک قرارداد پیش کی، جس میں ختم نبوت کے مسئلہ پر انجمن کے موقف کی وضاحت کی گئی تھی۔

اس سے پیشتر اسی موضوع پر انجمن کی طرف سے ایک اعلان بدیں مضمون بھی تیار کیا گیا تھا جو بعد میں اخبارات میں شائع ہوا، کہ عقائد نبوت، وحی اور خاتمیت میں انجمن عامۃ المسلمین کی ہم نوا ہے اور کونسل اس امر کا اعلان ضروری سمجھتی ہے کہ مسئلہ ختم نبور اسلام کا ایک اساسی اصول ہے۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد کوئی نبی کسی رنگ میں نہیں آ سکتا۔

پس انجمن کا مسلک یہی ہے اور ایسا ہی رہے گا۔ خیر شیخ اکبر علی اور مولانا احمد علی نے قرارداد کی تائید کی۔

اس کے بعد ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین نے سیکرٹری انجمن کی حیثیت سے صدر انجمن (اقبال) کے مطالبے کی وضاحت کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ میں قرارداد کی تائید کی۔

''صدر محترم نے یہ محسوس کیا ہے کہ انجمن دن بدن مسلمانوں میں اپنا وقار کھو رہی ہے۔ جب تک احمدیت کے متعلق انجمن کی پالیسی غیر مشتبہ الفاظ میں واضح طور پر پبلک کے سامنے نہ کی جائے تب تک مسلمان مطمئن نہیں ہو سکتے، اور ایک بڑی جماعت جس پر کہ مسلمانوں میں ہیجان تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی نبی کسی رنگ میں آ سکتا ہے یا نہیں، اس ریزولیشن میں اس کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے''

اس مرحلہ پر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ جوش میں آ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور چلا کر بولے:

''جناب ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب نے جو تشریح کی ہے وہ غلط ہے بلکہ مجازی رنگ میں نبی آ سکتا ہے''

مولوی غلام محی الدین نے اُنہیں ٹوکتے ہوئے کہا:

''انجمن عامۃ المسلمین پر اپنی جنرل کونسل کے ذریعہ واضح کرنا چاہتی ہے کہ انجمن عامۃ المسلمین کے ساتھ ہے۔ مرزا صاحب کو اختلاف پیدا کرنا نہیں چاہیے۔

اصول مندرجہ بالا کے علاوہ اُن کا کوئی عقیدہ ہے تو وہ اُسے اپنے تئیں رکھیں اور انجمن میں ذریعہ اختلاف نہ بنائیں۔ اور میں اس اعلان کی پرزور تائید کرتا ہوں''

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ غصہ میں میٹنگ سے واک آؤٹ کر گئے۔نو (۹) دنوں کے بعد اُن پر فالج کا حملہ ہوا اور ۱۱رفروری ۱۹۳۶ء کو رات گیارہ بجے فوت ہو گئے

(۶)۔گذشتہ صفحات میں جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ انگریز دور میں قادیانیوں کی کوشش ہوتی تھی کہ ہر وہ عہدہ جو کہ مسلمانوں کا حق ہوتا تھا اس پر انگریز کے ساتھ مل کر قبضہ کر لیا کرتے تھے۔اسی سلسلہ کی ایک کڑی مسلمانوں کی وہ یونیورسٹی تھی جو کہ علی گڑھ میں مسلم یونیورسٹی کے نام سے قائم کی گئی تھی۔قادیانیوں کی کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح سے اس پر بھی ان کا کنٹرول ہو جائے، تاکہ مسلمان بھولے بھالے نوجوانوں کو اس کے ذریعہ سے قادیانی بنایا جاسکے۔

چنانچہ قادیانیوں نے حیدر آباد دکن کے نواب کو دھوکہ سے اپنے ساتھ ملا کر اس سے گورنمنٹ سے سفارش کروالی کہ چوہدری ظفر اللہ قادیانی کو علی گڑھ یونیورسٹی کا وائس چانسلر بنا دیا جائے۔اس فتنے سے مجلس احرار اسلام کے زعماء غافل نہیں تھے۔

چنانچہ جیسے ہی یہ اطلاع احرار راہنماؤں تک پہنچی تو صدر آل انڈیا مجلس احرار رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے ایک برقیہ والئ حیدر آباد کو بھیجا۔

''علی گڑھ یونیورسٹی ایک اسلامی درسگاہ ہے،اس کا وائس چانسلر کسی مسلمان کو تجویز کریں''

چنانچہ یہ تجویز اپنی موت آپ مرگئی۔

(۷)۔ڈاکٹر اقبال مرحوم تو اپنی عمر کے آخری دور میں قادیانیوں کی اصلیت بتانے کے لئے باقاعدہ میدان میں آگئے تھے،اور انہوں نے واضح الفاظ میں کہدیا تھا کہ نئی نبوت کا مدّعی کذّاب اور واجب القتل ہے!

ڈاکٹر اقبال نے منیر نیازی کے نام خط میں لکھا ہے کہ۔

ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام یہ دعوٰی کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزا نبوت کے موجود ہیں، یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو ''وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل''۔

مسیلمہؑ کذاب کو اسی بنا پر قتل کیا گیا، حالانکہ جیسا راوی لکھتا ہے کہ وہ حضور رسالت مآب ﷺ کی نبوت کا مصدّق تھا اور اس نے اذان میں حضور رسالت مآب ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی تھی۔(انوارِ اقبال، صفحہ ۴۴)

(۸)۔ہمارے زعماء نے سیاسی طور پر بھی قادیانیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ ایک مذہب کا حامل قرار دینے کی کوشش کی تھی جبکہ پاکستان معرض وجود میں آنے کا خیال تک نہ تھا۔

۱۹۳۶ءجب ہندوستان میں الیکشن ہونے جا رہے تھے تو اس وقت مسلم جماعتوں نے اکٹھے ہوکر الیکشن لڑنے کا اعلان، اس میں مجلس احرار اور مسلم لیگ میں اتحاد بھی ہو گیا تھا۔اس سلسلے میں اس وقت مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح لاہور میں مجلس احرار کے صدر رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ سے ملے، جس کے بعد ایک پارلیمنٹری بورڈ بنایا گیا۔اس وقت بھی قادیانی مسئلہ زیر بحث رہا۔اس وقت اخبار ''الجمعیۃ دہلی'' کے نامہ نگار نے لکھا:

لاہور ۶ مئی۔ دہلی میں مسلمان رہنماؤں کے اجتماع کے بعد مسٹر جناح لاہور تشریف لے آئے تھے انہوں نے گذشتہ چند روز کے عرصہ میں بڑی توجہ انہماک اور سرگرمی کے ساتھ پنجاب کی اسلامی سیاست کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کی سعی کی۔

احرار لیڈروں میں سے چودھری افضل حق، مولانا حبیب الرحمٰن اور مولوی مظہر علی اظہر سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات فیصلہ کن ثابت ہوئی۔

احرار کے اکثر رہنما ہم آہنگ ہو کر مسٹر جناح سے تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں اگرچہ قطعی نتائج کچھ عرصہ بعد نکلیں گے۔

اگرچہ مسٹر جناح قادیانیوں کے مسئلہ میں آزاد نظریہ رکھتے ہیں لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک ایسا نظریہ دریافت کرلیا گیا ہے جس سے قادیانی مسلم لیگ سے خود خارج ہو جائیں گے اور احرار کو کوئی اعتراض نہ رہے گا۔اس کے علاوہ مسٹر جناح نے احرار کی قدر و وقعت کو محسوس کرتے ہوئے ان کے جملہ مطالبات تسلیم کر لئے ہیں۔(الجمعیۃ، دہلی، ۱۳؍ مئی ۱۹۳۶ء)

اس کے نتیجہ میں ایک مسلم پارلیمنٹری بورڈ معرض وجود میں آیا، جس کے صدر ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم تھے۔ چنانچہ جب مسلم پالمینٹری بورڈ کا اجلاس ہوا تو بورڈ کی طرف سے الیکشن لڑنے والوں کے لئے ایک حلف نامہ جاری کیا گیا۔اس بورڈ کے ممبر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے ایک شق یہ بھی داخل کرائی جس میں یہ الفاظ تھے۔

''میں اقرار صالح کرتا ہوں کہ اگر میں آئندہ پنجاب اسمبلی میں نامزد ہو کر کامیاب ہو

گیا تو اسلام اور ہندوستان کے مفاد کی خاطر مرزائیوں کو دیگر مسلمانوں سے ایک علیحدہ اقلیت قرار دیئے جانے کیلئے انتہائی کوشش کروں گا۔"

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کی اس شق کی ڈاکٹر اقبال نے بھرپور حمایت کی۔

مجلس احرار اسلام نے عوامی سطح پر جس جانفشانی سے قادیانیوں کے دجل وفریب اور کفر کو اُجاگر کیا تھا اور ان کے خلاف پورے ہندوستان میں جس قسم کی فضا بنا دی اس کے بعد یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ مسلم پارلیمنٹری بورڈ اس قسم کی تجویز کو رد کیا جا سکے۔

مشہور مسلم لیگی مؤرخ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی اپنی کتاب "اقبال کے آخری دو سال" میں لکھتے ہیں:

مولانا حبیب الرحمٰن فوراً بولے:

"اس کے ساتھ یہ شق بھی بڑھا دیجئے کہ مسلم لیگی امیدوار کو اقرار صالح کرنا چاہئے کہ وہ اسمبلی میں جا کر مرزائیوں کو مسلمانوں سے خارج کرا کے ایک علیحدہ اقلیت قرار دیئے جانے کی پوری کوشش کرے گا۔"

سچی بات یہ ہے کہ مولانا حبیب الرحمٰن نے یہ نئی شق پیش کر کے ہمیں حیران ہی نہیں پریشان کر دیا تھا۔

زمان مہدی خاں اس وقت جلسے کی صدارت کر رہے تھے۔ انہوں نے مولانا حبیب الرحمان سے کہا: "بے سود جھگڑا نہ کیجئے۔ یہ نئی شق پیش کرنے کا یہاں کیا موقع محل ہے۔" مولانا نے چمک کر فرمایا:

"جس طرح مسجد شہید گنج کی بازیابی آج پنجاب کے تمام مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ ہے اُسی طرح یہ بھی متفقہ مطالبہ ہے کہ مرزائیوں کو مسلمانوں سے خارج کر کے ایک علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے۔ اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں آتا، تو چلیئے ہم اسی وقت موچی دروازہ کے باغ میں ایک جلسہ عام کر کے مسلمانوں سے استصواب کر لیتے ہیں۔"

مولانا کی رائے درست تھی۔ احرار نے سالہا سال کے پراپاگنڈے سے عام مسلمانوں میں مرزائیت کے خلاف سخت نفرت پیدا کر رکھی تھی۔

اور اگر اس امر کے متعلق کسی جلسہ عام میں استصواب کیا جاتا، تو مسلمان یقیناً مرزائیت کے خلاف رائے دیتے چنانچہ مجبوراً غلام رسول خاں کو حلف نامہ میں ایک نئی شق کا اضافہ کرنا پڑا۔

’’میں اقرار صالح کرتا ہوں کہ اگر میں آئندہ پنجاب اسمبلی میں نامزد ہو کر کامیاب ہو گیا تو اسلام اور ہندوستان کے مفاد کی خاطر مرزائیوں کو دیگر مسلمانوں سے ایک علیحدہ اقلیت قرار دیئے جانے کیلئے انتہائی کوشش کروں گا۔‘‘

دوسرے روز غلام رسول خاں حلف نامے کا مسودہ لے کر علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں سارا واقعہ سنایا، تو ڈاکٹر صاحب نے مرزائیت کے متعلق نئی شق بڑھائی جانے پر کسی تعجب کا اظہار نہ فرمایا اور نہ کوئی اعتراض کیا۔

(تلخیص اقبال کے آخری دو سال، صفحہ ۳۲۲ تا ۳۲۶)

ڈاکٹر بٹالوی نے اگرچہ یہ لکھا ہے کہ

’’مرزائیت کے متعلق نئی شق بڑھائی جانے پر کسی تعجب کا اظہار نہ فرمایا اور نہ کوئی اعتراض کیا‘‘ مگر رئیس الاحرارؒ کے نام ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس پر بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ یہ خط ’’مکاتیب رئیس الاحرار‘‘ نام کتاب میں عنقریب آ رہا ہے۔

اصولی طور پر رئیس الاحرارؒ کی جانب سے داخل کرائی گئی اس شق سے مسلم لیگ نے قادیانیوں کا غیر مسلم ہونا تسلیم کر لیا تھا۔ بانیٔ پاکستان اور مسلم لیگ کے صدر محمد علی جناح نے بھی اس شق پر اعتراض نہ کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ مجلس احرار اسلام کو قادیانیوں کے ہمنواؤں نے ایک سازش کے تحت اس پالیمنٹری بورڈ سے علیحدہ کرا دیا تھا مگر اس کے باوجود یہ شق اس میں قائم رہی اور اسی شق کا حلف نامہ لے کر امیدوار کو ٹکٹ جاری کیا گیا۔ اور پھر اس شق کی صدا مسلم لیگ کے ہر اس اجلاس میں گونجی جس میں الیکشن کے لئے امیدواروں کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ قادیانیوں کا کفر پھر متنازع مسئلہ نہیں رہا۔ بلکہ ان کو غیر مسلم سمجھ کر ہی دوسری غیر مسلم اقلیتوں کی طرح ان سے تعاون لیا جاتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ قادیانیوں کے مسئلہ میں محتاط ہو گئی اور قیام پاکستان کا محرک بننے والے ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں مسلم لیگ نے کسی بھی قادیانی کو اپنا امیدوار نامزد نہیں کیا۔ اسی لئے قادیانیوں نے پنجاب میں یونینسٹ پارٹی جو کہ مسلم لیگ کی مخالف تھی اس کا ساتھ دیا۔ (جاری ہے)

مکاتیبِ رئیس الاحرارؒ سے — قسط 3

# رئیس الاحرارؒ اور ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم میں خط و کتابت

گذشتہ دوشماروں میں بانیٔ احرار، صدر احرار، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے خطوط جوانہوں نے سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کو لکھے تھے، وہ شائع کئے تھے۔ وہ خطوط ان دنوں کے تھے جب جماعت اسلامی کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا۔ اس وقت تک مودودی صاحب مرحوم کے ساتھ اہل علم کا باقاعدہ اختلاف نہیں ہوا تھا۔ مگر جب جماعت اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو اس کی تاسیس کے جو بنیادی محرکات تھے انہیں پڑھ کر اہل علم و دانش چونک اٹھے۔ سب سے پہلا قدم اٹھانے والوں میں رئیس الاحرارؒ کی ذات تھی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے جب جماعت اسلامی کے قیام کی غرض و غایت سے رئیس الاحرارؒ کو آگاہ کیا تو فوراً رئیس الاحرارؒ نے اس پر گرفت کی۔ رئیس الاحرارؒ کے سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم سے بہت اچھے تعلقات تھے مگر ان کی عادت تھی کہ جس بات کو وہ حق سمجھتے تھے اس کا برملا اظہار کر دیتے تھے، اور جس بات کو غلط سمجھتے تھے اس پر برملا ٹوک دیتے تھے، چاہے وہ کتنی ہی قریبی تعلق والی شخصیت ہو۔ جب جماعت اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو رئیس الاحرارؒ اس وقت منٹگمری جیل میں نظر بند تھے۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو مودودی صاحب پر سب سے پہلی علمی گرفت کی ابتدا رئیس الاحرارؒ کی طرف سے ہوئی۔

## ترجمان القرآن

لاہور......۹ رمضان ۶۰ھ

محترمی و مکرمی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ:

معلوم ہوا کہ آپ آجکل جیل میں ہیں اور کٹھن وقت گذار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جیل سے جلد خلاصی عطا فرمائے۔ آپ کی عدم موجودگی میں احباب سے مشورے کے بعد جماعت اسلامی

کے نام سے ایک تحریک شروع کی ہے۔ یہ تحریک خالصتاً اصلاحی ہے۔

اس خط کے ساتھ آپ کو جماعت اسلامی کے دستور اور اس کے پہلے اجتماع کی روداد کا ایک نسخہ ملے گا اور یہ دونوں چیزیں اس غرض کیلئے آپ کو بھیجی جارہی ہیں کہ براہ کرم سکون کے لمحات میں صبر کے ساتھ ان کو بغور ملاحظہ فرمائیں،

پھر اپنے قلب سے شہادت طلب کریں کہ جو جماعت اس عقیدہ اور اس نصب العین اور اس جماعتی نظام پر بنی ہو، آیا حق اس کا ساتھ دینے میں ہے یا اس سے الگ رہنے میں یا اس کی مخالفت کرنے میں۔ پھر آپ کا قلب جو شہادت دے اور جس پہلو کو اختیار کرنے میں آپ محسوس فرمائیں کہ آخرت کی جوابدہی سے سبکدوش ہوسکیں گے اسی کو اختیار کریں۔

یہ گمان نہ فرمایئے گا کہ آپ کو یہ دعوت اس لئے دی جارہی ہے کہ بڑے بڑے لوگوں کی شخصیت سے اس جماعت کو معزز کرنا مقصود ہے، ہر گز نہیں۔

حق رجال سے بالاتر ہوتا ہے اس کی عزت کیلئے یہی بس کرنا ہے کہ وہ حق ہے۔ اس دعوت کا مقصود تو صرف یہ ہے کہ جن اصحاب کی شخصیت جتنی نمایاں ہے اتنی ہی ان کی ذمہ داری بھی زیادہ ہے۔ بہت سے بندگان خدا ان کا اتباع کرتے ہیں اس لئے میری تمنا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوں اور اگر وہ اس کو ناپسند کریں تو ان تک پیغام پہنچا کر میں خدا کے ہاں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں۔ والسلام

ابوالاعلیٰ مودودی......امیر جماعت اسلامی

## جواب از رئیس الاحرارؒ بنام سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم

۲۶ نومبر ۱۹۴۱ء

محترمی ومکرمی جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب، امیر جماعت اسلامی ہند

السلام علیکم: آپ کو معلوم ہے کہ میں دسمبر ۱۹۴۰ء سے غیر معینہ مدت اور اور غیر متذکرہ جرم میں منٹگمری جیل میں نظر بند ہوں، اور قید تنہائی میں ہوں۔ شروع شروع میں تو اس جیل میں بھی میرے متعلق اتنی رازداری برتی گئی کہ اس جیل کے سیاسی قیدیوں میں سے کسی کو بھی علم نہیں ہوسکا کہ میں اس

جیل میں قید ہوں۔ میرے ساتھ نہ کوئی مل سکتا تھا اور نہ ہی مجھے کسی کے ساتھ خط وکتابت کی اجازت تھی۔ میرے اہل خانہ بھی مجھے عید پر نہ مل سکے۔ مگر پھر بھی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے جیل میں کسی قدر تنہائی کی لذت پیدا کر دی ہے۔

اور اس میں قرآن شریف کی تلاوت اور ذکر اذکار کی دولت نصیب ہوئی۔ فارغ اوقات میں مکتوبات مجدد الف ثانیؒ، احیاء العلوم اور شاہ عبد القادر دہلویؒ کا ترجمہ قرآن زیر مطالعہ رہے۔ میرے خیال میں تھا کہ رمضان المبارک کے بعد آپ کو ان تینوں پر کام کرنے کو لکھوں گا۔ موجودہ معروضی حالات میں اس کی اشد ضرورت ہے۔

مجھے خط وکتابت کی اجازت ابھی گذشتہ رمضان میں ملی۔ میں نے رمضان المبارک میں جو بھی ڈاک آئی اسے پڑھے بغیر رکھ دیا، تاکہ دوران رمضان کوئی افسوس ناک خط پڑھ کر کسی ذہنی دباؤ کا شکار نہ ہو جاؤں اور عبادات میں خلل واقع ہو جائے۔ کیونکہ رمضان المبارک میں جب تک یکسوئی نہ ہو اس وقت تک عبادات میں بھی روحانیت محسوس نہیں ہوتی۔

رمضان المبارک سے فراغت کے بعد جب میں نے ڈاک کا ڈھیر اُلٹا تو اس میں آپ کا ایک دعوتی خط بھی ملا، جس میں میری ذات کے متعلق چند فقروں کے علاوہ تقریباً وہی عبارت ہے جو کہ آپ نے تمام لوگوں کو دعوت کی شکل میں لکھی ہے۔

اس کے ساتھ جماعت اسلامی کے قیام کے پہلے اجلاس کی روداد بھی تھی۔ کسی کا خط پڑھنے اور کسی کو خط لکھنے سے وقتی طور پر تنہائی کا احساس کم ہو جاتا ہے۔ میں نے تنہائی میں انتہائی توجہ اور ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ آپ کے جماعتی اجلاس کی روداد کا مطالعہ کیا۔

میرے محترم! وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ سے میرا بڑا پرانا تعلق ہے۔ میں آپ کو اس وقت سے جانتا ہوں جب آپ اخبار ''الجمعیۃ دہلی'' کے ایڈیٹر تھے۔ ہماری اکثر نشست رہتی تھی۔

آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ کو ڈاکٹر اقبال مرحوم کے مشورے سے پٹھان کوٹ لایا گیا تھا تو ڈاکٹر اقبال مرحوم کے کہنے پر میں آپ کو پٹھان کو میں چودھری نیاز علی صاحب کے مکان پر ملا تھا۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ اگر آپ میں مجدّد اور مجتہد بننے کی کوشش نہ ہو، بلکہ آپ اسلام کی تبلیغ کریں،

خصوصیت سے غیر مسلموں کو اسلام کے اصول سمجھائیں، تو آپ ایک مفید آدمی ثابت ہونگے۔

مگر لگتا ہے کہ آپ کو ایسے لوگ دستیاب ہو گئے ہیں جو اپنی آزاد خیالی کی وجہ سے آپ کو آگے لانا چاہتے ہیں۔ تاکہ آپ کے قلم سے تاریخ میں مسلمانوں کی کمزوریوں کو اُجاگر کرایا جائے۔

میرے خیال سے اسلامی دستور کے نام سے آپ لوگوں کو ذہنی اور فکری رشوت دینے کوشش کر رہے ہیں۔ یہ تحریک عوام میں تو کامیاب نہیں ہوگی، البتہ انگریزی دان طبقہ اور نافہم مولویوں میں شاید مقبول ہو جائے۔

کسی کو دین کی دعوت دینے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس میں اپنی ذاتی سوچ کی بجائے اسلاف امت کے طرز عمل کو باقی رکھا جائے۔ آپ کے بھیجے ہوئے لٹریچر میں جہاں لوگوں کی اصلاح کی فکر کی گئی ہے وہاں پر اسلاف امت اور ان کے کارناموں پر عدم اعتماد کر کے اپنی ذاتی سوچ و فکر کو آگے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

آپ کے اجتماع کی روداد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اگر کسی نے مسلمانوں کی کسی صحیح جماعت کی تشکیل اور ان کی اصلاح کا صحیح بیڑا اٹھایا ہے تو وہ صرف اور صرف آپ یا آپ کی جماعت ہے۔

یوں تو آپ کی جماعتی اجلاس کی روداد میں کئی باتیں قابل توجہ ہیں اور ہر ہر بات پر لکھنا ایک طویل ذہنی مشقت کا کام ہے۔ مگر میں چند ایسی باتوں کی طرف آپ کو توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں، جن کو پڑھ کر میں لرز سا گیا ہوں۔

آپ نے اپنی ابتدائی خطاب میں فرمایا ہے کہ:

ایک وقت تھا کہ عام مسلمانوں کی طرح میں بھی روایتی اور نسلی مذہبیت کا قائل اور اس پر عمل پیرا تھا۔ جب ہوش آیا تو محسوس ہوا کہ اس طرح محض "مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَ نَا" کی پیروی ایک بے معنی چیز ہے،

آخر میں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف توجہ کی۔ اسلام کو سمجھا اور جان بوجھ کر ایمان لایا۔ پھر آہستہ آہستہ اسلام کے مجموعی اور تفصیلی نظام کو سمجھنے اور معلوم کرنے کی کوشش کی۔

جب اللہ تعالیٰ نے قلب کو اس طرف سے پوری طرح مطمئن کر دیا تو جس حق پر خود ایمان لایا تھا اس کی طرف دوسروں کو دعوت دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اسی طرح آپ نے پہلی اسلامی تحریکوں کے بارے میں کہا ہے کہ:

اوّلاً! ان میں اسلام کے کسی جزء یا دنیوی مقاصد میں سے کسی مقصد کو لے کر بنائے تحریک بنایا گیا ہے، لیکن ہم عین اسلام اور اصل اسلام کو لے کر اٹھ رہے ہیں، اور پورا کا پورا اسلام ہی ہماری تحریک ہے۔

ثانیاً! ان میں جماعتی تنظیم دنیا کی مختلف انجمنوں اور پارٹیوں کے ڈھنگ پر کی گئی ہے، مگر ہم ٹھیک وہی نظام جماعت اختیار کر رہے ہیں جو شروع میں رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ جماعت کا تھا۔

آپ نے قرآن سے کفار سے منقول "مَا اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ آبَاءَ نَا" کو اپنی تحریک کی بنیاد بنایا ہے، جن کے آباؤ اجداد بھی کافر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو اس لئے رد فرمایا ہے کہ ان کے آباء واجداد گمراہ تھے۔ اس کے باوجود وہ اپنے کافر آباء واجداد کے طرز عمل کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے۔

مگر آپ مسلمان ہو کر بھی اپنے مسلمان آباؤ اجداد کے ایمان اور اعمال پر عدم اطمینان کر بیٹھے۔ یعنی آپ کا ایمان کافروں کے کفر سے بھی کمزور نکلا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کسی غیر مسلم گھرانے میں پیدا نہیں فرمایا

جس پر آپ کو اس آیت کا سہارا لینے کی نوبت آتی بلکہ آپ کو مسلمان گھرانے میں پیدا کر دیا اس پر آپ کو اللہ کا احسان مند ہونا چاہیے تھا مگر آپ نے اللہ کے احسان پر شکر بجا لانے کی بجائے اس پر بھی عدم اعتماد کر دیا اور اپنا نیا ایمان ایجاد کر لیا۔

ہمارے اسلاف تو وہ ہیں جن کے متعلق ببانگ دُہل یہ کہا جاتا ہے "اُولٰئِكَ آبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهٖ" اس میں ہر دور میں دنیا کے تمام مذاہب والوں کو چیلنج کیا گیا ہے یعنی "یہ ہیں ہمارے اسلاف، لاؤ ان جیسا کوئی" آپ نے ان تمام اسلاف کو بیک جنبش قلم مسترد کر دیا۔

آپ کا یہ خطاب اور نظریات جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد نہ صرف اکابرین امت، ائمہ

مجتہدین، اور مشائخ اسلام بلکہ پوری امت کی قربانیوں اور کارناموں پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہے۔

میں اپنے آپ کو کسی امتیازی حیثیت میں محسوس نہیں کرتا۔ آپ نے اپنے دعوتی خط میں لکھا ہے کہ حق رجال سے بالاتر ہوتا ہے۔

مگر آپ کے طرز عمل سے یہ معلوم ہوا کہ حق آپ سے بالاتر نہیں ہے بلکہ آپ حق سے بالاتر ہیں، حق آپ کی سمجھ بوجھ کا محتاج ہے۔ کیونکہ حق کو جس طرح آپ نے سمجھا ہے اس کو پوری امت میں سے کوئی بھی نہ سمجھ سکا۔

باقی رہی حق کی قوت کے لئے رجال کی اہمیت! اس کے لئے اللہ کے نبی ﷺ نے بھی بعض رجال کے لئے دعاء مانگی تھی، جن میں حضرت عمرؓ، خالد بن ولیدؓ جیسی شخصیات شامل ہیں۔

میں نے اسی قسم کا ایک خط لکھنؤ میں مولانا محمد منظور نعمانی کو بھی لکھا ہے۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ان جیسے متدین اور متین مزاج انسان کے ہوتے ہوئے ایسی باتیں کیوں ہوئیں۔

میں اپنی بیماری کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتا، یہ جو کچھ لکھا ہے اس میں کئی دن صرف ہوئے ہیں، روزانہ تھوڑا تھوڑا لکھ کر چھوڑ دیتا تھا پھر دوسرے دن لکھنا شروع کرتا تھا۔ کیونکہ نقاہت اور کمزوری انتہاء کی ہے۔

مجھے علم نہیں کہ مجھے جیل سے کب رہائی ملے گی۔ میرے اسلاف کے تو جنازے بھی جیل سے نکلے تھے، مجھے ان اسلاف پر نہ صرف فخر ہے بلکہ میری بھی خواہش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ بھی میرے اسلاف والا معاملہ فرمائے۔

اس لئے جس طرح آپ نے لکھا ہے کہ آپ اپنا پیغام پہنچا کر خدا کے ہاں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ہیں، بالکل اسی طرح میں بھی آپ کو راہ راست دکھا کر اپنی دینی ذمہ داری سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔

والسلام

اسیر افرنگ،

حبیب الرحمٰن لدھیانوی...... سینٹرل جیل، منٹگمری

# العجالة في مسئلة اللحية و السبالة

## داڑھی کے متعلق شرعی فیصلہ

قسط (۴)

شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد انوریؒ

## اتباع سنت سید المرسلین واقتداء صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین

الحاصل: جب کہ ہم نے قرآن وحدیث آثار صحابہؓ واقوال ائمہ مجتہدین تابعین وفقہاء امت سے واضح طور پر ثابت کر دیا کہ ڈاڑھی سنت انبیاء علیہم السلام ہے اور تمام بزرگان دین کا یہی عمل ہے۔ تو مسلمان دیکھ لے کہ اسے کس لائن پر چلنا چاہئے۔ آیا سنت نبی علیہ السلام وصحابہ کا اتباع یا فرنگیوں اور کفار یہود و ہنود کا اتباع۔ ذرا اس کے متعلق بھی تھوڑا سا سنئے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من تمسك بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد

(معجم الاوسط، مجمع الفوائد ص ۱۷)

آپ فرماتے ہیں۔ جو ایسے وقت میں میری سنت پر مضبوط رہے اور عمل کرے جب کہ میری امت میں خرابی اور بے دینی پیدا ہو گی تو اس کو سو شہید کا ثواب ہے (بھلا اس زمانہ سے بڑھ کر خرابی اور فساد اور امت کے بگڑنے کا اور کون سا زمانہ ہوگا)۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

عليكم بسنتی و سنة خلفاء الراشدين المهديين عضو عليها بالنواجذ...... الخ

(ترمذی، ابوداؤد)

لازم پکڑو تم میری اور میرے خلفاء کی سنت کو جو ہدایت یافتہ تھے، اس کو مضبوط پکڑ لو

(۳) عن عبدا للہ ابن مسعود رضی الله عنه قال اولئك اصحاب محمد صلی الله عليه وسلم كا نوا افضل هذه الامة ابرها قلوباً و اعمقها علماً و اقلهم تلفاً اختارهم الله

تعالیٰ لصحبة نبیہٖ صلی اللہ علیہ وسلم و الاقامة دینہٖ و اعرفوالھم فضلھم و اتبواھم علی اثرھم تمسکوا بما استطعتم اخلاقھم و سیرھم فانھم کا نوا علیٰ ھدیً مستقیم (جمع الفوائد)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابی فرماتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اس امت میں سب سے افضل ہیں۔تمام امت میں سے ان کے قلوب زیادہ صاف پاک اور نیک تھے ۔اور تمام امت سے ان کے علوم گہرے تھے اور سب امت سے کم تھے تکلف میں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چن لیا۔اور پسند فرمایا۔اور نبی کے دین کے قائم رکھنے کے لئے ان کو چنا تھا۔پس تم ان کی بزرگی کو پہچانو۔اور ان کے آثار کا اتباع کرو جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق کو مضبوط پکڑو۔کیوں کہ وہی صراط مستقیم پر تھے۔

(۴) اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم

(جمع الفوائد ص۲۰۲)

میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے، ہدایت پاؤ گئے۔

(۵) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فھو منھم

(مشکوٰۃ شریف ،جمع الفوائد ،ابوداؤد شریف)

مجمع البحار میں ہے ای من تشبہ بالکفار فی اللباس وغیرہ او بالفساق او باھل التصوف او بالصلحاء فھو منھم۔

یعنی جو شخص کفار کے ساتھ لباس وغیرہ میں یا فاسقوں یا صوفیوں یا صالحین کے ساتھ مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص

کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرے وہ ان میں سے ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ ڈاڑھی منڈانا کفار افرنگی ملاحدۂ یورپ، یہود، ہنود، مجوس کا شعار اور فعل ہے۔ پس جو شخص اتباع سنت نبی وصحابہ کرام چھوڑ کر اپنی وضع قطع میں دوسروں کے ساتھ تشبہ حاصل کرتا ہے اور ان کا طرزِ طریق کو پسند کرتا ہے اسی کے لئے یہ وعید ہے۔

مسلمانو! ایک دن مرنا ہے اور دربار خداوندی میں پیش ہونا ہے، پس کیا کوئی پسند کرتا ہے کہ اس کا حشر کفار اور دشمنانِ رسول کے ساتھ ہو۔ نعوذ باللہ من ذالک۔
اللہ بچائے۔ اکبر نے سچ فرمایا ہے۔

کردیا زن نے زن مردوں کی دیکھئے　　آبرو چہرے کی سب فیشن بنا کر پونچھ لی
حق یہ ہے انسان کو یورپ نے ہلکا کردیا　　ابتدا ڈاڑھی سے کی اور انتہا میں مونچھ لی

## نبی ﷺ کا فرمان خدا کا فرمان ہے

حدیث میں ہے:

عن المقدام بن معدیکرب قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الا هل عسی رجل یبلغه الحدیث عنی وهو متکیء علیٰ اریکته فیقول بیننا و بینکم کتاب الله فما وجدنا فیه حلالاً استحللناه وما وجدنا فیه حراماً حرمناه و ان ماحرم رسول الله صلی الله علیه وسلم کما حرم الله

**(ترمذی، ابوداؤد)**

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب ایسا بھی ہوگا کہ کسی آدمی کے پاس میری حدیث پہنچے گی، تو وہ کہے گا۔ بس جی! قرآن میں جو حلال ہے وہ ہمارے نزدیک حلال ہے۔ اور جو قرآن نے حرام کی وہ ہمارے نزدیک حرام ہے۔
حالانکہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کی وہ بھی اسی طرح ہے جیسا کہ اللہ نے حرام کی۔ اسے خوب یاد رکھنا چاہئے۔ ایسا کہنے والے کو آنحضوا صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین اور مغرور متکبر فرمایا ہے۔

# صوفیائے کرام کے اقوال

حضرت امام غزالیؒ کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں، جب ڈاڑھی بڑھے (یعنی نکلے) تو ایک قبضہ کی مقدار رکھے، اور باقی کو تراش دے۔ ابن عمرؓ اور تابعین کی جماعت نے ایسا ہی کیا ہے اور علماء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ چھوڑنا چاہئے۔

شیخ عارف باللہ محدث کامل شیخ الاسلام علامہ محمد طاہر صاحب مجمع البحار میں فرماتے ہیں:

المنھی قصھا کا لاعاجم او جعلھا کذنب الحمام و الاخذ من الاطراف لایکون من القص فی شیٔ

(مجمع البحار ص۲۵۰ ج۳)

یعنی منع سے ڈاڑھی کا کٹانا عجمیوں کی طرح یا اس کو کبوتر کے پر کی مانند بنانا لیکن مقدار قبضہ سے زائد بالوں کا اطراف سے کاٹ لینا کاٹنے میں شامل نہیں۔ دوسری جگہ اس مسئلہ کو خوب واضح کیا ہے۔

(مجمع البحار ص۴۰۳)

بعض لوگ ڈاڑھی کو ادھر ادھر سے کاٹ کر دمچی سی ٹھوڑی کے نیچے رکھ لیا کرتے ہیں۔ بعض فرنچ فیشن رکھتے ہیں۔ شیخ طاہر فرماتے ہیں، یہ سب منع ہے۔

انواع مولانا عبداللہ صاحب لاہوری میں۔

مٹھ برابر حضرت ڈاڑھی عمر تریسٹھ ورہے     وچ جماعتاں اچے وسدے عظمت نال کھڑے
مٹھ تھیں چھوٹیاں ڈاڑھیاں جنہاں بجھ کرایاں     سنت اسدا حکم ہے ترک کیتی روستائیاں
سنت جان رسول دی ترک کریسی کو
روز قیامت ویڑھے شرمندہ ہوسی سو

## ضروری تنبیہ

آپ نے دیکھ لیا کہ ڈاڑھی منڈانا یا قبضہ سے کم رکھنا اور کٹانا سب امور فسقیہ ہیں۔ اور تشبیہ بالکفار ہے علماء نے ایسے شخص کو فاسق فرمایا ہے۔ اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔

دیکھو در مختار اور شامی اور کبیری شرح منیۃ المصلی میں ہے

لو قدموا فاسقاً یاثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم۔

اگر لوگوں نے فاسق کو امام بنایا تو وہ اس بنا پر گنہگار رہوں گے کہ فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے بلکہ امام مالکؒ کے نزدیک اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی اور امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک روایت ہے۔

(دیکھو کبیری ص ۴۷۹)

فتویٰ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن قدس سرہ العزیز :

ریش کا قطع کرنا حد شرعی سے زیادہ حرام ہے، مرتکب اس کا فاسق، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم

(الرشید ج ۳ نمبر ۱۲ ص ۱۳۳۵)

## ڈاڑھی منڈانے کے باعث اقتصادی نقصان

افسوس اے مسلمان بھائیو! ہم نے اپنے پیغمبر حبیب خدا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور سنت کی اتنی بھی وقعت اور قدر نہ کی جتنی سکھوں نے اس مسئلہ میں گورونا نک صاحب اور گوبند سنگھ کی اطاعت وفرمانبرداری میں نمایاں حصہ لیا۔

بلکہ اپنے گوؤں کے اقوال پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ ڈاڑھی کے ایک ایک بال پر مر مٹنے اور جان دینے کو تیار۔ اللہ اکبر۔ جو قوم دنیا کو تہذیب وتمدن۔ شائستگی سکھانے آئی تھی، جس کے اسلاف نے اسی حبیب خدا کے فرمودہ پر عمل پیرا ہو کر تمام دنیا کو اپنا شاگرد بنایا۔

آج وہی قوم دربار نبی کو چھوڑ کر دوسروں کے تہذیب وتمدن کی والہ وشیدا بنے اور اپنے بزرگوں کے اسوۂ حسنہ کو ترک کر کے کرزنیوں کے دامن میں پناہ لینا اپنے لئے باعث فخر سمجھے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

علاوہ اس کے اے بے حس وغافل مسلمانو! تم نے کبھی سوچا بھی کہ تمہاری اس تفریح طبع سے ہندوستان کا کتنا روپیہ برباد ہوتا ہے۔ ڈاڑھی منڈانے اور سر کا فیشن رکھنے کے شوق میں کتنا وقت ضائع کرتے ہو۔ آپ کو علی الصبح بجائے یاد خدا کے یہی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔

اور گھنٹہ اسی میں برباد ہوتا ہے، نہ کوئی قومی نہ ملی کام کیا، یادِ خدا تو درکنار تم یورپنوں کی ریس کرنی چاہتے ہو۔ ان کی سلطنت، شہنشاہی، روپیہ، دولت، افسری۔ تم غلام، اپاہج

مفلس، تنگدست، پھراس شوق کو پورا کرنے کے لئے مکمل سامان خریدا جاتا ہے۔

بہت بڑا آئنہ ہو، ولایتی استرا ہو، کھال کو نرم کرنے والا ولایتی صابن ہو، ولایت کا بنا ہوا عمدہ برش ہو، جس سے چہرہ پر صابن ملا جائے۔ یہ تو ہر ایک ینگ مین کے دربار میں موجود رہتا ہے۔ پھر بعض تو دن میں کئی کئی بار صفائی لیتے ہیں۔

یہ عجیب تمدن ہے۔ بھلا بتائیے یہ روپیہ کہاں جاتا ہے یہ تمام اشیاء کہاں سے آتی ہیں ۔جہاں سر بال منڈانے اور کترانے میں صرف دو منٹ اور دو پیسے خرچ ہوتے ہوں۔ وہاں ہمارے فیشنوں کے سردار ڈاڑھی کے فیشن کے لئے کئی آنے برباد ہوں، روزانہ کتنے لاکھ روپیہ برباد ہوتا ہے۔

اے مردہ دل .......... ہندوستانیوں تمیں یورپ کا اصطلاحی جنٹلمین بننے کا اس قدر شوق ہے ۔کہ اپنے ملک کے کروڑوں فاقہ مست، بیواؤں اور محتاجوں کی آہیں تمہیں سنائی نہیں دیتیں۔ ا

پنے تنگ دست فاقہ مست، مصیبت زدہ بھائیوں اوران کی معصوم اولاد کی افلاس نما صورت میلے کچیلے، پھٹے پرانے کپڑے بھی تمہاری روشن خیالی میے اضافہ نہیں کرتے۔ میرے بھائیوں کی اپنے دردِ دل کی داستان گفتنی نہیں۔ سر کے بال بموجب فرمان خداوندی تمام کے تمام منڈانے چاہئیں، یا کٹوانے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

محلقین رؤسکم و مقصرین

یعنی اپنے سروں کے بال منڈواؤ یا کتراؤ۔

اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے:

احلقوا کله اوزدو کله

یعنی یا سارا سر منڈاؤ یا سارا سر رکھو۔

(یہ حدیث بخاری۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ مسلم سبھی کتب میں ہے)

ہمارے جنٹلمیں سر کے بالوں میں کتنا تکلف کرتی ہیں۔ دائیں بائیں اور پچھلی جانب سے قطع و برید ہوتی ہیں۔ بیچارہ حجام تنگ آجاتا ہے۔ اجی اگر رکھنے کا ہی شوق ہے تو سارا ہی سر رکھو۔ اور کانوں کے نیچے تمام سر کے بال چھوڑو، پھراس میں غور کرو تو روزانہ کا تجربہ آپ کو بتائے گا کہ نوعمر لڑکے جب بالوں کا فیشن بنا کر تیل لگا کر مانگ پٹی کر کے باہر نکلتے ہیں تو کس قدر اخلاق سوز حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں ۔مسلمانو! ان فیشنوں نے اخلاقیات پر ایساڈاکہ ڈالا ہے کہ ساری متاع دین و دنیا لٹ گئی۔

# ہم کس عذاب کو دعوت دے رہے ہیں

اوریا مقبول جان

پورے شہر کی سڑکوں پر قوسِ قزح کے سات رنگوں پر مشتمل سات پٹیوں والے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ مشہور گولڈن گیٹ برج کے پاس تو ان کی کثرت سے لگتا تھا جیسے وہاں الیکشن ہونے والا ہو۔ صبح ہی سے شہر کی سڑکوں پر سے ٹریفک کو متبادل راستوں پر منتقل کیا جا رہا تھا۔

یہ 29 جون 1996 کا سان فرانسسکو تھا۔ مجھے شام کو وہاں سے آسٹن کی فلائٹ لینا تھی۔ اتوار کا دن تھا اس لئے میں یہ تماشا دیکھنے اس روٹ کی طرف جا نکلا جہاں سے امریکہ کے اس سب سے زیادہ آزاد خیال شہر میں ہم جنس پرستوں کا جلوس گذرنا تھا۔

آج کے دن کو GayPride یعنی ہم جنسوں کے فخر کے طور پر مناتے تھے اور شہر کے مخصوص راستوں سے ان کا جلوس گذرتا جسے وہ پریڈ کا نام دیتے۔

یہ دن نیویارک میں 1969ء کے سال 29 جون کو پیش آنے والے ایک واقعہ کی یاد میں منایا جاتا ہے جب نیویارک کی پولیس نے سٹون وال کے علاقے کے ایک ہم جنس پرستوں کی بار پر چھاپہ مارا اور انہوں نے پولیس کے مقابلے میں کھڑے ہو کر اپنا دفاع کیا۔

دو انسانی حقوق کی تنظیمیں ان کے ساتھ مل گئیں اور ٹیلی ویژن چینلوں پر روشن خیال دانشور اس پولیس گردی کو انسانی آزادی اور حقوق کی خلاف ورزی قرار دینے لگے۔

ہم جنس پرستوں کی تنظیم وجود میں آئی۔ روشن خیال دانشوروں اور انسانی حقوق کے علمبرداروں کی مدد سے صرف چھ ماہ کے اندر ہم جنس پرستوں کے بار پولیس کے خوف سے بالاتر ہو کر کھولے جانے لگے۔

لیکن اس ساری تحریک میں سرخیل کردار سان فرانسسکو شہر کا تھا۔ کیونکہ امریکہ میں سب سے پہلا ہم جنس پرستوں کا خفیہ بار 1911ء میں اسی شہر میں کھلا لیکن جب ساتھ ہی اسی سال قدرت کی طرف سے وہاں ایک شدید زلزلہ آیا تو لوگ خوفزدہ ہو گئے کہ ابھی دلوں میں خوفِ خدا باقی تھا۔

1969ء تک یہ سب ہوتا رہا لیکن چوری چھپے اور پولیس سے ڈرتے ہوئے۔ لیکن 29 جون 1969ء کے بعد ہم جنس پرستوں نے اس پر فخر کرنا شروع کیا اور پھر اس دن کو GayPride کا نام دے دیا گیا۔

میں ٹھیک 27 سال بعد اسی دن اس شہر کی بل کھاتی اونچی نیچی سڑکوں پر ایک ہجوم کو گذرتے دیکھ رہا تھا۔

صرف دو دن قبل جب میں اس شہر کے میئر کے دفتر میں گیا تو میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ اس شہر کا میئر ایک مرد ہم جنس پرست ہے اور ڈپٹی میئر ایک عورت ہم جنس پرست۔

لیکن ان 27 سالوں میں جو اس بے راہ روی پر فخر کرنے والے گروہ پر بیتی اور وہ جس عذابِ خداوندی کا شکار ہوئے وہ بھی میرے سامنے تھا۔ پورا امریکہ ایڈز کے خوف سے لرز رہا تھا۔

میں نے جب گلابی شرٹ پہنے، کانوں میں بالیاں سجائے میئر کے سامنے یہ اعداد و شمار پیش کئے کہ ہم جنس پرستوں میں پچاس فیصد ایسے ہیں جو ایڈز کے مرض کا شکار ہو کر موت کا انتظار کر رہے ہیں اور آپ کے شہر میں تو ایڈز کے تمام مریضوں میں 97 فیصد ہم جنس پرست ہیں، پورے امریکہ میں 78 فیصد ہم جنس پرست موذی جنسی امراض آتشک یا سوزاک کا شکار ہیں۔

پورے ملک میں ہونے خودکشیوں میں 50 فیصد ہم جنس پرستوں کی ہوتی ہیں۔ سان فرانسسکو کے ہم جنس پرستوں میں 80 فیصد ہیپاٹائٹس کا شکار ہیں جبکہ نیویارک میں 66 فیصد اور ٹورنٹو میں 42 سال ہے، جبکہ عام خاتون کی امریکہ میں اوسط عمر 79 سال ہے جبکہ ہم جنس پرست عورت کی اوسط عمر 45 سال ہے۔

ہم جنس پرست ایک عام آدمی کے مقابلے میں سو گنا زیادہ اپنے ساتھ ہم جنس پرست کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں، ایک عام آدمی کے مقابلے میں 25 گنا زیادہ خودکشی کرتے ہیں اور 19 گنا زیادہ حادثات میں مرتے ہیں۔

امریکہ میں پھانسی کی سزا کا انتظار کرنے والی عورتوں میں 50 فیصد ہم جنس پرست ہیں۔

پورے امریکہ میں ہم جنس پرستوں کی تعداد 2 فیصد سے زیادہ نہیں ہے، لیکن یہ صرف 2 فیصد ہی عذاب کا شکار ہیں۔

میں نے جب یہ اعداد وشمار اس میئر کے سامنے رکھے تو اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ تم کیا سمجھتے ہو یہ خدا کا عذاب ہے۔ میں نے کہا ایمان تو میرا یہی ہے لیکن اس کی ایک سائنسی وجہ بھی ہے۔ وہ طنز سے مسکرایا۔ کیا سائنسی وجہ ہے۔

میں نے کہا کائنات کا پورا نظام فطری طور پر جوڑوں پر مبنی ہے۔ مذکر اور مؤنث ہر تخلیق میں موجود ہے۔ پتوں، پھلوں اور سبزیوں میں بھی یہ جوڑے موجود ہیں۔ جہاں یہ نظام الٹ پلٹ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ترتیب بگڑتی ہے تو موت آ گھیرتی ہے۔

وہ مسکرایا اور بولا مذہب کے ٹھیکیداروں کو بھی سائنس یاد آ گئی ہے۔ میں نے کہا تمہارے ہاں ایسا نہ ہو لیکن میرا مذہب تو پہلے دن سے ہی مجھے فطرت پر غور وفکر کرنے کا درس دیتا ہے اور اسی کو سائنس کہتے ہیں۔ اس نے کہا تو پھر کیا تمہارے ہاں ہم جنس پرست نہیں ہوتے۔ میں نے کہا ہوتے ہیں لیکن تمہاری طرح اپنی اس غیر فطری روش پر فخر نہیں کرتے، سڑک پر اکٹھے ہو کر شہر میں جھنڈے لہرا کر پریڈ نہیں کرتے۔

یہ 1996ء تھا اور میں نے کس فخر سے دنیا کے سب سے روشن خیال اور ہم جنس پرستوں کے مرکز میں یہ دعویٰ کر دیا تھا۔ لیکن شاید اب میں یہ دعویٰ نہ کر سکوں۔ اب شاید میرا کسی ایسی صورت حال سے سامنا ہو جائے تو شرم سے سر جھکا دوں کہ اب میرا ملک 1969ء کے سٹون وال والے نیویارک جیسے مرحلے سے گذر رہا ہے۔ ویسے ہی انسانی حقوق، جنسی آزادی اور زندگی اپنی مرضی سے گذارنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ وہی دلیلیں اور جواز دیئے جا رہے ہیں۔

کہا جاتا ہے، یہ تو پیدائشی طور پر ایک رجحان ہوتا ہے جو کبھی وراثت میں ملتا ہے، یہ نفسیاتی طور پر انسان کے ذہن کی نسبت ایسی بن جاتی ہے۔ میرے ملک کے یہ دانشور، انسانی حقوق کے علمبردار اور روشن خیال وکلاء اسی ملک میں کئی سالوں سے رہتے چلے آ رہے ہیں۔ انہیں بخوبی علم ہے کہ کس طرح ایک منظّم طریقے سے بچوں کو گھیرا جاتا ہے، انہیں جنسی تشدد کا شکار کیا جاتا ہے، انہیں لالچ اور ترغیب سے اس طرف مائل کیا جاتا ہے، پھر کس طرح انہیں نام نہاد ڈاکٹروں کے ذریعے آپریشن سے ناکارہ بنا دیا جاتا ہے۔

انہیں یہ بھی علم ہوگا کہ کیسے لڑکے جب خواجہ سرا کا روپ دھار لیتے ہیں تو پھر چوراہوں

، اندھیری سڑکوں اور کونوں کھدروں میں کھڑے جنسی تسکین کے لئے گاہک ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں کیسے صدیوں سے میلوں اور تہواروں پر ان کو نچوایا جاتا تھا اور پھر ان سے جنسی حظ بھی اٹھایا جاتا تھا۔

کون نہیں جانتا کہ بادشاہوں نے اپنی بے پناہ بیویوں اور کنیزوں کی خدمت کے لئے کس طرح عام لڑکوں کو جنسی طور پر خواجہ سرا بنا کر مخنث کا درجہ دیا تا کہ ان کی حرم کی عورتیں مردوں سے دور رہیں اور صرف انہی کی جنسی تسکین کا باعث بنیں۔

یہ سب ہمارے معاشرے میں ہوتا رہا لیکن کوئی اس پر فخر نہیں کرتا تھا۔ فطرت کے ان اصولوں کی خلاف ورزی کو ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ایسے رویے کا شکار لوگ بھی اپنے اس فعل شنیع کو اپنے بچوں، بیویوں اور خاندانوں سے چھپاتے تھے۔ لیکن اب تو ہم اس پر فخر کرتے ہیں کہ یہ سب معاشرے کا باعزت اور کارآمد حصہ ہیں۔

اللہ کے عذاب کی وجوہات کو غور سے دیکھا جائے تو عذاب کبھی ان بستیوں پر نہیں آیا جہاں گناہ کی کثرت تھی بلکہ عذاب ان آبادیوں پر آیا جنہوں نے اس گناہ پر فخر کرنا شروع کر دیا۔

اسے معاشرے میں عزت دے دی اور ہم جنس پرستی تو ایسا فعل تھا جس پر جب لوط علیہ السلام کی قوم نے فخر کرنا شروع کیا تو پہلے وارننگ کے طور پر ان کی شکلیں بگاڑ دی گئیں۔

معافی مانگی تو انہیں ٹھیک کر دیا۔ لیکن جب وہ پھر اس فعل کو آزادی، جنسی زندگی گذارنے کا حق اور انسانی حقوق کا حصہ سمجھنے لگے تو پھر ان کو یوں الٹ دیا گیا کہ ایک پتا تک نہ ہلا، بس الٹ کر زمین میں غرق کر دئے گئے۔

اور پھر میرے رب کا غصہ ایسا تھا کہ اوپر سے پتھروں کی بارش برسائی گئی۔ سمجھ نہیں آتی ہم کس عذاب کی جانب بڑھ رہے ہیں۔

ہمارا دہرا معیار عجیب ہے کہ اگر ہم جنس پرستوں اور خواجہ سراؤں کی حمایت میں بولنے والے دانشوروں، وکیلوں، صحافیوں، انسانی حقوق کے علمبرداروں کے گھروں میں کوئی بیٹا یا بیٹی اس مکروہ راہ پر چل نکلے تو یہ اس سے دور بھاگتے پھریں، اس کا نام تک نہ لیں، اسے ایسے اس طرح خواجہ سراؤں کے ٹولے کے سپرد کر دیں

جیسے بلی تھیلے میں ڈال کر شہر سے دور پھینک کر بھول جایا جاتا ہے۔

کائنات کی تخلیق کے سلسلہ میں فلسفۂ قدیم اور سائنسی نظریات کی تردید اور اسلامی نظریۂ تخلیق کا اثبات و احقاق

قسط 2

(یعنی) قبل المسیح پانچ سو سے لے کر بیسویں صدی تک کائنات کے بارے میں مشہور فلسفیانہ و سائنسی نظریات کی مکمل تردید اور اسلامی نظریۂ تخلیق کائنات کا قرآن و حدیث اور علماء حق کے اقوال کی روشنی میں مدلل اثباتی بیان

حذیفہ وستانوی

## ادوارِ فلسفہ:

فلسفہ کو، چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے:

دورِ اول کو فلسفۂ یونان قبل سقراط کہا جاتا ہے۔

دورِ ثانی کو سوفسطائی۔

دورِ ثالث کو افلاطون اور ارسطو کا دور۔

دورِ رابع کو اسکندریہ اور **افلوطینیة جدیدة**۔

پھر دور اول کو چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے، جس میں سے اول دور طبیعیہ کا ذکر اوپر ہو چکا، اب دیگر تین ادوار کو ذکر کیا جاتا ہے۔

مکتبہ فلسفہ فیثاغورث:

اس کا بانی و مبانی مشہور ریاضی داں اور فلسفی **فیثاغورث بن منسارخیس** ہے، جس کی ولادت قبل المسیح ۵۷۲ بیان کی جاتی ہے۔ یہ اصل یونان کی ایک بستی **ساموس** کا رہنے والا تھا، اس نے مصر کا سفر کیا، ایطالیہ کے جنوب میں مقیم ہو گیا، امام شہرستانی کی تحقیق کے مطابق اس نے داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا، جنوبی ایطالیہ ہی میں اس نے اپنے نظریہ کو بیان کیا۔

فیثاغورث کا نظریہ تھا کہ اصل الکون یعنی کائنات کی اصل ''عدد'' ہے، کیوں کہ کائنات آگ، ہوا، پانی کے بجائے عدد کے زیادہ مشابہ ہے، پہلے عدد کو باری تعالیٰ نے پیدا کیا، اور وہ ''ایک عدد'' تھا اور یہی ''عدد'' موجودات کا اصل عنصر ہے، نغمہ بھی عدد ہی سے بنا ہے،

کیوں کہ فواصل موسیقی ایک دوسرے سے وحدتوں کے مختلف ہونے ہی سے بدلتے ہیں، اسی سے آواز بھی بنتی ہے؛ گویا عدد اور نغمہ ہی سے دنیا مرکب ہے اس طور پر کہ ''واحد'' نقطۂ آغاز ہے، ''دو'' خط ہے، ''تین'' سطح ہے، ''چار'' جسم ہے، ''پانچ'' صفات مادیہ ہے اور ''چھ'' حیات سے مترادف

ہے اور ''سات'' عقل کے بہ منزلہ ہے... الخ۔

قبل سقراط کے کہ تیسرے دور کو ''دورِ ایلیائیہ'' کہا جاتا ہے، اسی کا مؤسس ''اکنرینوخان'' ہے، ''بارمیندس'' بھی اسی فلسفہ کے مشاہیر میں شمار ہوتا ہے، اس فلسفہ کی بنیاد چوں کہ ایطالیہ کی جنوب غرب میں واقع شہر اِیلیا میں ہوئی، اس لیے اس کو ''فلسفہ ایلیائیہ'' سے موسوم کردیا گیا۔

ایلیائین کا نظریہ یہ ہے کہ اصل الاصول ''وجود'' ہے؛ اب وجود کی تفصیل کیا ہے؟ تو ہمارے پاس اس کا جواب نہیں، بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اشیاء موجودہ کا وجود ''وجود'' سے ہوا۔ حقیقۃ اولیٰ کی کمیت کے اعتبار سے اس میں ایک دوسرے سے امتیازات پائے جاتے ہیں، اس مکتبۂ فکر نے مادہ کے بجائے عالم روحانی کی طرف زیادہ توجہ دی۔

چوتھا اور اخیری دور طبیعیہ متأخرہ سے یاد کیا جاتا ہے؛ اس نظریہ کے مشہور فلاسفہ **دیمقریطین اور اَنبادقلیس، انکسجوراس** ہے؛ ان کی تحقیق یہ ہے کہ اصل العالم ''ذرہ'' ہے اور ''ذرہ'' کی تفسیر ''کون اور فساد'' یعنی وجود اور عدم کے اساس پر منطبق کرتے ہیں،

ذرات کی ایک مقدار کے جمع ہونے کی صورت میں ''کون'' یعنی کسی چیز کو وجود ملتا ہے اور انہیں کے بکھرنے اور متفرق ہونے کی صورت میں ''فساد'' یعنی عدم واقع ہوتا ہے۔

مگر جب ان آخر الذکر مکتبۂ فکر کے فلاسفہ کو ذرات کی حرکتوں کے ادراک اور فہم میں دشواریاں لاحق ہوئی تو ان میں سے بعض کا رجحان یہ ہوا کہ ذرات کی حرکت تلقائی اور ذاتی ہے جس کا پورا انحصار قانون جذب والمقناطیس پر ہے؛

اسی قانون کے پیش نظر ذرات میں ارتباط پیدا ہوتا ہے اور اقتران بھی۔ مذکورہ قانون تصادف یعنی ایک دوسرے کے اچانک آمنے سامنے ہونے سے پیدا ہوتا ہے اور بھی ان کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں۔

غرض ان کا نظریہ بھی مادیت زدہ ہی ہے؛ ان میں سے بعض مادیت کے ساتھ معمولی طور پر روحانیت کو بھی دخیل مانتے ہیں۔

## دورِ ثانی:

مذکورہ دور کے چار مراحل یعنی قبل سقراط کے دور کے چار مراحل کو ذکر کیا گیا اب سفسطائی اور سقراط کے دور کو بیان جا رہا ہے۔

اس دور کے نظریات کو جاننے سے پہلے یہ بات مدِ نظر رہے کہ اس دور میں فلاسفہ کا اندازِ تفکر بدل گیا، اور کائنات طبیعیہ محسوسہ پر غور کرنے کے بجائے خلقت انسان پر اپنے اندازِ فکر کو مرکوز کر دیا، کیوں کہ یونان کے حالات بالکل متغیر ہو چکے تھے، اخلاقی انارکی اور لادینیت کا دور دورہ تھا، عبادت اور تقدیس مذہب اور اخلاق حسنہ کا دور' دور تک کوئی اتا پتا نہیں تھا، قدیم اور قدامت کو خیر آباد کہہ کر لوگ ہر جدید اور محدث کے پیچھے اندھا دھند دوڑے چلے جا رہے تھے۔

مؤرخین نے اس کا اصل سبب اسی فلسفہ اور فلسفیانہ بحث کو قرار دیا، کیوں کہ ابھی ایک فلسفی اپنے نظریہ کو بیان کر نہیں پاتا تھا کہ دوسرا اس کی تردید کر کے نیا نظریہ پیش کر دیتا

جیسا کہ آپ نے ابھی ابھی پڑھا مشکل سے سوڈیڑھ سو سال میں تقریباً سات نظریے فلاسفہ نے بیان کیے اور ہر ایک ایک دوسرے سے بالکل مختلف، تو لوگ ذہنی دباؤ کے شکار ہو گئے، اتنا طویل عرصہ انہیں فلسفیانہ بحث ومباحثہ میں گذرا تھا،

لہٰذا نتیجتاً لوگ دین سے دور ہو گئے، تقدس، مذہب، عبادت، جیسے مقدس الفاظ یا تو ان کی دماغی لغت سے محو ہو گئے یا بے معنی و بے سود ہو گئے اور یوں یونان الحاد کی دہلیز پر آ کر کھڑا ہو گیا۔

جب فلسفیانہ اختلاف شدت اختیار کر گیا، تو ہر شخص اور ہر جماعت ایک دوسرے کی تردید میں حدود پار کرنے لگی، یہاں تک کہ ان کے یہ اختلافی مسائل عدالتوں اور محکموں میں پہنچ گئے اور ہر شخص اور فرقہ اپنے نظریہ کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگا، نتیجتاً یہ نظریات سیاست پر حاوی ہونے لگے،

اور اب حقائق کو معلوم کرنے کے بجائے نظریات کے بل بوتے پر حکومت حاصل کرنے کی کوشش شروع ہو گئی تو فضا مزید مسموم اور زہر آلود ہو گئی، ہر نظریہ پر شکوک وشبہات کی بارش ہونے لگی نتیجہ ایک گروہ ان کی شدید مخالفت پر اتر آیا،

اور انہوں نے سرے سے کائنات پر غور وفکر کو ترک کر کے انسان پر غور وفکر اور اس کے حقائق

کو جاننے کی کوشش کا آغاز کر دیا، اسی گروہ کو سوفسطائی کہا گیا۔

**سوفسطائی تصورات:**

اس گروہ نے یہ تصور پیش کیا ''قضایا عامہ'' کے مسائل کو عقل انسانی ہی حل کر سکتی ہے، لہٰذا انسان ہر چیز کے حق اور باطل کو سمجھنے کے لیے مقیاس ہے، انسان جس چیز کو حق کہے وہ حق اور جس چیز کو وہ باطل کہے وہ باطل، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ فلسفہ کو حقائق کے جاننے کے کے بجائے سیاست اور سلطنت پر غلبہ کا ذریعہ اس دور کی اہم خصوصیت رہی ہے،

لہٰذا اس گروہ نے بھی اس دوڑ میں خود کو شامل کر دیا، اس کے لیے خطابت اور تقریر کی طرف خاص توجہ دی گئی، کیوں کہ خطابت سیاست کے لیے ایک اہم ذریعہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے، نو جوانوں کو خطابت میں محنت کروائی گئی، اور اپنے غلبہ کے لیے انہیں آلۂ کار بنایا گیا، اس طرح انسانی تاریخ جو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے کچھ قبل شرک کی آلائشوں سے دوچار ہوئی تھی،

اب کی بار ''الحاد'' اور بے دینی کی مسموم فضا میں سانس لینے لگی، اخلاق کا دیوالیہ ہو گیا، کھلے بندھو اللہ کے اور کسی بھی طرح کے معبود کی عبادت کا انکار کیا گیا یہاں تک کہ اشیاء کی حقائق کا بھی انکا کر دیا گیا، اور حقائق کو خیالی پلاؤ سے تعبیر کیا گیا، اس طرح لوگ بے شمار حصوں میں منقسم ہو گئے۔

ایک سوفسطائی فلسفی ''بروتا جوراس'' کہتا ہے، حقیقت مطلقہ کا کوئی وجود نہیں ہے، اس لیے کہ حقائق افراد کی فکر کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں۔

ایک موقع پر کہتا ہے کہ میں یقین کے ساتھ نہیں کہتا کہ معبود اور خدا ہے بھی یا نہیں، اس لیے کہ اس سلسلے میں مجھے کچھ سمجھ میں آیا ہی نہیں۔ ایک اور موقعہ پر کہتا ہے کہ فرد ہی خیر، شر، عدل، ظلم وغیرہ کے فیصلہ کرنے کا مجاز ہے اور بس۔

سوفسطائیت کے بھی تین فرقے ہیں:

(۱) **لاادریہ** (Agnostcims): ان کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ کے وجود پر ایمان رکھنا محال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ہر حالت میں شک ہی میں مبتلا ہیں، لہٰذا کوئی بات قطعی نہیں کر سکتے ہیں اور نہ کسی قطعی بات پر ایمان لا سکتے ہیں، اسی لیے انہیں **لاادریہ** کہا گیا۔

(۲) **عنادیہ**: ان کا نظریہ یہ کہ ہر قضیہ بدیہیہ اور نظریہ کا معارض موجود ہوتا ہے، معارض نہ

ہونا تو متصادم تو ضرور ہوگا ہی۔

(۳) **عندیہ**: جو جس چیز کو حق سمجھے وہ حق ہے اور جس چیز کو باطل سمجھے وہ باطل ہے، اس کے نزدیک۔۔۔۔۔۔۔۔۔مذکورہ نظریات تمام کے تمام وہ تھے جو قبل سقراط کے دور سے تعلق رکھتے ہیں، اب سقراط اور بعد سقراط کے فلسفیانہ نظریات کو بیان کیا جائے گا، فلسفہ جدید کا پورا مدار چوں کہ انہیں قدیم نظریات پر ہے۔ لہٰذا ان نظریات کا جاننا بھی ضروری ہے اسی لیے قدرے تفصیل سے ہم ان کو بیان کررہے ہیں، تا کہ اس کے بعد دونوں نظریات کی خرابیاں ظاہر ہو جائے اور اسلامی نظریۂ تخلیق کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

جاء الحق وزھق الباطل۔

**فلسفہ سقراط:**

''سقراط بن سقرنیقوس'' کا دور قبل مسیح چار سو ہے، سقراط نے فلسفہ سوفسطائیت کا بھرپور رد کیا اور اپنے زمانہ میں بہت مشہور بھی ہوا۔

سقراط نے حقائق اشیاء کی حتی الامکان معرفت کا نظریہ پیش کیا اس نے روحانیت کو بھی تسلیم کیا اس نے اللہ کے وجود کو بھی تسلیم کیا، مگر قوانین عادلہ کا مدار اس نے عقل کو قرار دیا۔

خلاصہ یہ کہ سقراط فلسفہ کائنات کی اقسام میں سے الاہیات اور اخلاقیات سے بحث کرتا ہے زیادہ تر ریاضت میں مشغول رہتا تھا آخری عمر میں اس پہ الزام لگایا گیا کہ وہ یونانی خداؤں کا منکر ہے اور نئے خدا کی طرف دعوت دیتا ہے (غالباً توحید کا قائل تھا) اسے زہرِ ہلاہل دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

**افلاطون:**

افلاطون سقراط کا شاگرد ہے، سقراط کی موت کے بعد اس نے اقلیدس سے بھی تعلیم حاصل کی، پھر فیثا غورسیوں سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔

اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ کسی بھی چیز کا وجود چار چیزوں کے مرہون منت ہوتا ہے:

**۱-واحد۔ ۲-عقل۔ ۳-نفس۔ ۴-مادہ۔**

واحد کی تفسیر وہ کرتا ہے جو موجودات کے مشابہ نہ ہو اس کی صفات ایجابیہ کو بیان کرنا ممکن

نہیں البتہ صفات سلبیہ کو بیان کیا جاسکتا ہے۔ ہر طرح سے وہ واحد ہے، تصورِ ذہنی میں بھی وہ واحد، حقیقت میں بھی واحد ہے۔ نہ اس پر عقل کو متصور کیا جاسکتا ہے نہ اس کو جوہر کہہ سکتے ہیں۔ اس پر خیر کا اطلاق ہوتا ہے، مگر عین ذات کے اعتبار سے عالم کا ظہور **بالطبع** اس سے ہوا نہ کہ **بالارادہ** کیوں کہ اگر بالارادہ مانا جائے تو اس کے ساتھ مراد مستلزم ہوگا۔

اسی واحد کے فیض سے عقل کو وجود ملا اور پھر عقل سے نفس کا صدور ہوا، اور پھر اس سے مادہ کا۔ افلاطون کے نزدیک واحد اول یعنی خالق اور صانع نہیں لیکن موجودات اس کے فیض کی برکت ہے عالم مادی نفس کلی سے صادر ہوا ہے، انسان کی غایت یہ ہے کہ وہ فنا فی اللہ ہو جائے۔

گویا افلاطون متناقض ارادہ اور نظریات کا حامل ہے، ایک طرف اللہ کو مانتا ہے اور دوسری طرف وجود اشیاء میں اس کے ارادے کو نہیں تسلیم کرتا جو سراسر اسلامی نظریہ کے خلاف ہے۔ قرآن کہتا ہے: ''خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ'' وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ یعنی ہر چیز کی تخلیق میں بس اللہ کا منشاء اور ارادہ شامل ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے: ''وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ'' وہی ہوتا ہے جو اللہ کی مشیئت ہو تمہاری مشیئت اور چاہت سے کچھ نہیں، جب انسان کو یہ کہا گیا جو اشرف المخلوقات اور سید الخلائق ہے تو جو متبوع اور ساری مخلوق اس کے تابع ہے تو غیر انسان کے ارادے سے یا خود بہ خود اتنے انقلابی تغیرات کائنات میں کس طرح رونما ہو سکتے ہیں یہ نہ عقلاً صحیح ہے اور نہ نقلاً یہ محض اٹکل اور اندازے کے علاوہ کچھ نہیں اور اندازہ حقائق کے ادراک کے لیے کسی صورت میں موزوں نہیں ہو سکتا۔

**فلسفہ ارسطو:**

ارسطو یہ افلاطون کے شاگردوں میں سے مشہور شاگرد ہے۔ یہ اصلاً طبیب تھا ارسطو مسلسل بیس سال تک افلاطون کے ساتھ وابستہ رہا، افلاطون کے انتقال کے بعد ارسطو ''اسطافرو'' بستی کو خیر آباد کہہ کر اٹالیہ ہوتا ہوا آسیا صغریٰ جو اس کا وطن تھا آگیا،

یہاں شادی کی اور بود و باش اختیار کر لی پھر کچھ مدت گذرنے پر اٹالیہ میں ایک ادارہ قائم کیا جو بعد میں چل کر ''مدرسۂ مشّائیہ'' یا ''فلسفہ مشائیہ'' سے مشہور ہوا، مشی کے معنی چلنا ہے اور وہ اپنے شاگردوں کو چلتے ہوئے درس دیتا تھا تو اسی سے مشہور ہو گیا، مگر ارسطو وہاں زیادہ رہ نہ پایا کیوں کہ سقراط

کی طرح وہ ''الحاد'' کا شکار ہو گیا،

لہٰذا وہاں سے فرار ہونے میں عافیت محسوس کی اور ''حلفیس'' نامی بستی میں سکونت پذیر ہو گیا، ۶۳ سال کی عمر میں آنٹ کی بیماری میں مبتلا ہو کر ۳۲۲ ق م میں وفات پائی۔

ارسطو نے فن منطق کو مدون کیا کیوں کہ حسیات کے ذریعہ عقلی نتائج کے لیے وہ منطق کو ضروری تصور کرتا تھا، ارسطو کے فلسفہ کو ''ماوراء الطبیعة'' کہا جاتا ہے بعض اس کو فلسفہ اولیٰ بھی کہتے ہیں۔ اور مابعد طبیعات بھی کہا جاتا ہے۔ ارسطو کے فلسفہ کا موضوع موجود اور ثابت جس میں تغیر نہ ہو اس سے بحث کرنا ٹھہرا۔

ارسطو نے اپنے استاذ افلاطون سے چند امور میں اختلاف کیا ان میں سے ایک یہ کہ افلاطون موجودات طبیعہ کے بارے میں یہ رائے رکھتا تھا کہ وہ محض ظلال یعنی سایہ ہے، لہٰذا موجودات حقیقیہ اور موجودات حسیہ دونوں ایک ہی ہے

اور مثل کے بارے میں وہ کہتا تھا کہ وہ کلیات ہی ہے اور کلیات کا وجود عقلی ہو تو حقیقت سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہوتا اور عقل سے موجودات حقیقیہ کے مثل کو معلوم کیا جاتا ہے اور موجودات کا علم مشاہدے سے ہوتا ہے نہ کہ غور و فکر سے اور جب اجسام کا وجود طبعیہ حقیقی ہوتا ہے تو اب ارسطو کہتا ہے ، کہ یہ مرکب ہوتا ہے دو مُبدؤں سے ایک هیولی اور دوسرا صورت۔

ہیولیٰ کہا جاتا ہے ایسے مادے کو جو اصلاً بالکلیہ متعین نہ ہو، اسی سے اجسام کا اجسام ہونا معلوم ہوتا ہے اور پھر اسی اجسام سے صفات کا وجود ہوتا ہے اور فی ذاتہ وہ کسی چیز سے متصف نہیں ہوسکتا اور اگر اس پر صورت کا خول چڑھا دیا جائے تو اوصاف سے متصف کیا جاسکتا ہے۔

اور صورت کے بارے میں کہتا ہے کہ صورت اس مبدا کو کہتے ہیں جو ہیولی کی تعیین کرے اور ایک خاص ماہیت سے نوازے بلکہ اسے شئ واحد بنادے اور پھر ہم اس کو اجسام کی صفات کے ساتھ یاد کرتے ہیں، جیسے رنگ، خفت، ثقل، جمال، لمعان چمکنا، حلاوت، انطفاء وغیرہ۔

ارسطو کا فلسفہ ماوراء الطبیعہ کے بارے میں نظر علت پر مدار رکھتا ہے، جس کو ہم ملخصاً اس طور پر بیان کر سکتے ہیں کہ کائنات میں مختلف تغیرات کا سبب میٹھا فیز ایقی عناصر ہے گویا یہی عناصر علت ہے اور علت کی چار قسمیں ہیں:

۱۔علت مادیہ: وہ مادہ ہے جس سے اشیاء مکون ہوتی ہے جیسے کرسی کے لکڑی۔

۲۔علت فاعلیہ محرکہ: وہ علت ہے جو کسی چیز کے ایجاد کے لئے محرک ہو جیسے کرسی بنانے والا بڑھئی۔

۳۔علت صوریہ: وہ اوصاف وامتیازات جو اس چیز کے مادے اور حقیقت سے مرکب ہو اسے ایک خاص صورت دے جیسے کرسی کی ہیئت اور صورت۔

۴۔علت غائیہ: یعنی کسی چیز کے وجود میں آنے کا مقصد اور مرکزی نقطۂ نظر۔

پھر ارسطو نے ان چار کو بھی پہلی دو میں منحصر کر دیا اور علت فاعلی کو علت صوری میں اور علت غائیہ کو علت مادی میں ضم کر دیا اور پھر علت مادیہ کا نام ہیولیٰ دیا اور علت صوریہ کو صورت کا نام دیا اور پھر ہیولی اور صورت پر تمام تغیرات کونیہ کا دارومدار رکھا۔

ارسطو کا نظریہ یہ تھا کہ طبیعت بغیر قصد وارادے کے متغیر نہیں ہوتی، اور یہ کہ طبیعت زندہ ہے اور آسمان وزمین میں ہے اور انسان اور حیوان کے لیے اس کے تمام افعال حکیمانہ ہے اور اس سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ ظاہری وباطنی فائدہ اور نفع سے بھرپور ہوتا ہے

اس کا کوئی فعل عبث نہیں اور کوئی کام بے نتیجہ نہیں گویا یہ نظریہ پیش کر کے ارسطو نے اپنے متقدمین اور پیش رو فلاسفہ کی مخالفت کی جو قصد وارادہ اور غایت فی الطبیعۃ کے منکر تھے اور جو تمام تغیرات کے بارے میں خود بہ خود ہونے کا نظریہ رکھتے تھے، اور اندھا دھن ٹکراؤ اس کا سبب گردانتے تھے تردید کی۔

ارسطو اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل ہے کیوں کہ وہ کہتا ہے کہ ہر متحرک کے لیے ایک محرک کا ہونا ضروری ہے۔مگر کسی ایک محرک کو آخری محرک ماننا ہی پڑے گا، جو کسی دوسرے محرک کا محتاج نہ ہو ورنا تسلسل لازم آئے گا اور یہ تسلسل لامتناہی ہو جائے گا،

لٰہذا لامحالہ کسی ایک ایسے محرک کو ماننا ہی ہوگا جو سب سے پہلا محرک ہو ازلی ہو۔خود غیر محرک ہو اپنے علاوہ میں مؤثر ہو اور خود کسی غیر سے متاثر نہ ہو۔غالباً اس کا اشارہ ایک اللہ کے جانب ہے گویا اللہ تعالیٰ کا تصور ارسطو کے نزدیک علت اولیٰ کے طور پر ہے، البتہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے موجودات کے علم کی نفی کرتا ہے،

اور اسے اللہ کی شان کے خلاف گردانتا ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ کو وہ مخلوق سے لاتعلق گردانتا ہے اس لیے کہ اگر مخلوق سے اس کا تعلق ہو جائے، اب جب مخلوق نواقص کی شکار ہے تو اللہ بھی اس کا شکار ہوگا، حالاں کہ یہ محض اس کا غلو ہے جو سراسر عقیدہ صحیحہ کے خلاف ہے۔

قِدمِ عالم کے نظریہ کا ارسطو بہر حال منکر تھا، بلکہ عالم کے قدیم ہونے کا نظریہ ارسطو کے بعد کا نظریہ ہے۔

**فلسفہ افلاطونیہ جُدیدہ:**

اسکندریہ فلسفہ کے مرکز کی حیثیت اختیار کرگیا، لہٰذا یونان روم اور مصر وغیرہ سے فلسفہ کے شوقین وہاں جمع ہونے لگے، اور بحرابیض پر اس کو ممتاز حیثیت حاصل ہوگئی۔

افلاطونیہ جدیدہ دراصل یہودی، نصرانی، وثنی وباطل معتقدات وافکار کے ملغوبہ کا نام ہے، عالم المثل میں افلاطون کے خیالات اور معانی کلیہ میں ارسطو کے افکار کو نصرانیت سے چند روحانی امور کو اور بودھسٹ مذہب کے فناء وتزکیہ کو لے کر ایک نیا فلسفہ بنا دیا گیا۔

افلاطونیہ جدیدہ کا فلسفہ رکھنے والے مسلمان فلاسفہ میں ابن سینا فارابی وغیرہ سے بھی استفادہ کیے ہوئے ہیں، بلکہ اسلامی فلسفہ تصوف سے بھی انھوں نے فائدہ حاصل کیا ہے۔

''امونیوس سکاس'' تیسری صدی عیسوی میں ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا اس کی وفات ۲۴۲ء میں ہوئی بعض نے اسی کو افلاطونیہ جدیدہ کا مؤسس قرار دیا ہے، جس نے افلاطون اور ارسطو کے فلسفوں میں تطبیق کی کوشش کی۔

افلوطین ۲۰۵ء میں لیفو بولیس میں پیدا ہوا، ۲۱۸ میں اسکندریہ کا رخ کیا اور امینوس سکاس سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی پھر سوریا سے عراق روما کی طرف سفر کیا اور روما میں اپنے مذہب کی بنیاد ڈالی جو بعد میں افلاطونیہ جدیدہ سے یاد کیا جانے لگا ۲۷۰ء میں وہ وفات پا گیا اس کی وفات فلسفہ یونان کے زوال آغاز شمار کی جاتی ہے۔

افلوطین پر الہامات میں غور فکر کا غلبہ ہو گیا تھا جادوگری سے بھی اس کو شغف تھا اور طلمسات وغیرہ سے بھی وہ تصوف کا دلدادہ تھا عقلیات ومنطق کی طرف اس کا میلان کم تھا۔

# کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور مسلمان

حافظ محمد نعمان حامد

علم کی روشنی میں کائنات کا مشاہدہ اور مسائل کے حل کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور تجربات کی روشنی میں نئی ایجادات وجود میں آتی ہیں جس سے انسانی زندگی آسان ہو جاتی ہے۔ ہر نئی ایجاد بنی نوع انسان کی زندگی میں ایک نئے انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے جس کا مشاہدہ ہماری روزمرہ کی زندگی میں روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش کا جذبہ انسان کی فطرت میں روزِ اول سے رکھ دیا گیا ہے۔ مثل مشہور ہے ''ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔'' جس ضرورت کا احساس انسانی دماغ میں جاگزیں ہوتا ہے اس کی تلاش اور اس کے حل کے لئے وہ ہر آن سرگرداں رہتا ہے۔ جب تک زندگی رواں دواں ہے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے اور زمانہ گواہ ہے کہ ہر دور میں ضروریات کے پیش نظر انسان نے نت نئے طریقے ایجاد کئے جو نتیجتاً بعد میں بڑی بڑی ایجادات کا موجب بنے۔

صنعتی انقلاب کی بدولت بہت سی معاشرتی اور اقتصادی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ صنعتی ترقی اور زرعی ترقی کے ساتھ ساتھ حساب کتاب کا نظام پیچیدہ ہوتا گیا۔ اسی ضرورت نے کیلکولیٹر (Calculator) کی ایجاد کو جنم دیا جس کی مدد سے حساب کتاب میں سہولت پیدا ہوگئی۔ نئی نئی اختراعات کی وجہ سے کئی مشینوں کی تخلیق عمل میں آئی۔ کمپیوٹر اس دور کی عظیم الشان تخلیق ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کمپیوٹر اس صدی کا عظیم شاہکار ہے۔ یہ باقاعدہ کیلکولیٹر کی ہی ترقی یافتہ شکل ہے۔

کمپیوٹر ایک پیچیدہ خودکار الیکٹرانک مشین ہے جو ابتداء میں ریاضی کے مشکل اور طویل سوالات حل کرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ اب مختلف مقاصد کے لئے احسن طریقے سے استعمال ہو رہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں کمپیوٹر اپنی افادیت کے لحاظ سے ہر شعبے کی ضرورت بن چکا ہے۔ سرکاری، نیم سرکاری شعبہ جات، مواصلات، زراعت، سائنسی معلومات کی فراہمی، جرائم کی تفتیش، جنگی حکمت عملی، صنعتوں، تعلیمی اداروں اور کتب خانوں میں اس کا استعمال عام ہو رہا ہے، جس سے ہر

شعبہ ہائے زندگی کی کارکردگی میں قابل ذکر اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی ایجاد سے انسان کم وقت میں زیادہ بہتر کام کر سکتا ہے۔ طویل اور پیچیدہ سوالات چند منٹوں میں حل ہو جاتے ہیں، اور بعض ایسے مسائل تھے جن کا حل کمپیوٹر ہی سے ممکن ہوا ہے۔ یہ بھی مشاہدے میں آیا ہے کہ کمپیوٹر کی کارکردگی نتائج کے لحاظ سے انسانی صلاحیتوں سے کہیں زیادہ قابل اعتبار ہے۔ دورِ حاضر میں انسانی امراض کی تشخیص بھی کمپیوٹر کی مدد سے ہو رہی ہے۔ بلکہ کمپیوٹر تشخیص کے بعد دوائیں بھی تجویز کرنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ لیکن ان تمام حقائق کے باوجود کمپیوٹر چاہے جتنا ہی عبقری کیوں نہ ہو وہ ''مافوق الفطرت'' (Supernatural) نہیں ہو سکتا۔ اس سے بعض اوقات غلطیاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں۔ تاہم کمپیوٹر کے لئے ہمہ تن حاضر دماغی کا ہونا ضروری ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ انٹرنیٹ کیا ہے؟ انٹرنیٹ دراصل سائنس یا کمپیوٹر کے ارتقاء کی ایک حیرت انگیز شکل ہے۔ انٹرنیٹ کے آغاز کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ پہلی مرتبہ جب دو کمپیوٹروں کو طبعی ذرائع (جیسے تاریں اور دیگر آلات) کے ذریعے جوڑ کر ان دونوں کے درمیان ربط قائم کیا گیا تو وہی دراصل آج کے جدید انٹرنیٹ کے ڈھانچہ کی شروعات تھی۔

انٹرنیٹ کا آغاز 1960ء کی دہائی کے آخری سالوں میں امریکی محکمہ دفاع سے ہوا۔ یہ انٹرنیٹ کا باقاعدہ آغاز نہیں تھا، بلکہ انہوں نے امریکن C.I.A سٹاف اور آرمی کے درمیان معلومات کے تبادلے کے لئے کمپیوٹرز کو انٹرلنک کیا۔ جب اس پیغام رسانی کی افادیت ماہرین پر آشکار ہوئی تو انہوں نے اس کا دائرہ کار بڑھانے پر غور و فکر شروع کر دیا اور اس طرح امریکہ کے محکمہ دفاع سے نکل کر اس کا دائرہ کار یونیورسٹیوں تک جا پہنچا۔ اس کے ساتھ ہی اسے تجارتی بنیادوں پر استعمال کرنے کا خیال پیدا ہوا اور اس طرح امریکہ کے مختلف شہروں میں پہلے باقاعدہ انٹرنیٹ سسٹم کی ابتداء ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں اس کا دائرہ کار پوری دنیا میں پھیل گیا۔

انٹرنیٹ کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بذات خود نہ تو کوئی سافٹ ویئر ہے اور نہ ہی کوئی ہارڈ ویئر ہے، بلکہ یہ ہزاروں، لاکھوں کمپیوٹروں کے باہمی ربط کا نام ہے۔ یہ نہ تو کسی ایک آدمی کے لئے ہے اور نہ ہی کسی فرد واحد کی ملکیت ہے۔ آسان ترین لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ یہ ایک طریقہ کار ہے جس کو استعمال کرتے ہوئے مختلف کمپیوٹروں کے ذریعے لوگ ایک دوسرے سے منسلک ہوتے

ہیں۔

انٹرنیٹ پر ہر شخص کے لئے معلومات اور دلچسپی کا سامان ہے۔ ہر کسی کو اپنی رائے کے اظہار کا حق ہے۔ اس مقصد کے لئے ہزاروں چینل، سائٹس اور ذرائع ہیں جن میں ویب پیج، مکالمہ بازی (Chat Channel) اور تشہیری صفحات وغیرہ شامل ہیں۔ بزنس مین، علماء، سکالرز، طالب علم، غرض کسی بھی طبقہ، فکر سے تعلق رکھنے والے کے لئے یہ ایک کھلی کتاب ہے۔ آنکھ جھپکتے ہی پوری دنیا آپ کے سامنے کھل جاتی ہے۔ ہم اس کے ذریعے سیکنڈز میں ای-میل، فیکس اور ٹیلی فون کے ذریعے دوسروں سے تبادلہ خیال کر سکتے ہیں۔ گھر بیٹھے دنیا کے کسی بھی ملک سے خرید و فروخت کر سکتے ہیں۔

نوجوان ہمارا قومی سرمایہ ہیں اور انہیں اسلامی روایات سے متعارف رکھنا ہمارا قومی فریضہ ہے۔ آج جب کہ کمپیوٹر کا استعمال ڈیسک ٹاپ Desktop سے نکل کر سائبر اسپیس کی نئی جہتوں کی طرف گامزن ہے تو یقیناً اسلام اور مسلمانوں کے لئے بھی اس میدان میں مثبت پیش رفت ہونی چاہئے۔ چنانچہ کچھ حوصلہ مندوں نے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے اس جدید اور منفرد میڈیا کو بھی استعمال کیا ہے۔ جس کی وجہ سے آج ہم انٹرنیٹ پر بہت سی اسلامی سائٹس دیکھ سکتے ہیں جو واقعی مسلمان پروگرامرز، انجینئرز اور ڈویلپرز کا کمال ہے۔ اس میں کئی مسلم ممالک خصوصاً ملائشیا، انڈونیشیا، پاکستان کمال حاصل کر رہے ہیں۔ انٹرنیٹ پر آج ایسے ویب پیجز موجود ہیں جن سے قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، اسلامی درسگاہوں، مساجد، آرگنائزیشنز، روایات، ثقافت اور دیگر چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

لیکن ہمیں یہاں یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ کچھ گمراہ کن عناصر نے اسلام کے نام پر غلط سائٹس بنا کر مسلمانوں کو گمراہ اور انہیں ان کے عقائد کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن میں احمدی فرقہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ مزید برآں عیسائیوں نے کچھ ایسی شرانگیز سائٹس بنائی ہیں جن کو پڑھنے اور دیکھنے سے ایک سچے مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ انہوں نے ان سائٹس میں مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش کی ہے۔ ان پر الزامات لگائے ہیں۔ ایسی ہی سائٹس میں سے ایک ایسی ایسی سائٹ کا میں ذکر کرنا یہاں پسند کروں گا جو کہ اسرائیل کی شرارت ہے۔ جس میں انہوں نے اسلام کے نظریات کو بدلنے اور غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسی طرح بہت سی اور ایسی سائٹس ہیں جن میں مسلمانوں کو ہوشربا تصاویر سے گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان تصاویر کا مقصد صرف اور صرف مسلمانوں کے ذہن کو اس طرف لگانا ہے، تاکہ ان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو جائے۔

آخر ان مسائل کا حل کیا ہے؟ سب سے پہلا حل تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو کمپیوٹر کی فیلڈ میں بھی ترقی کرنی چاہیئے۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی روز بروز بڑھتی ہوئی افادیت کے پیشِ نظر ہم اس سے چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس میں کمال حاصل کرنا پڑے گا۔

عالمِ کفر کی شرانگیز شرارتوں کا جواب دینے کے لئے ہمیں علماء کی ضرورت ہے۔ علماء کو چاہیئے کہ وہ اس میدان میں آگے آئیں اور انٹرنیٹ پر جو اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہیں ان کا مثبت طریقے سے جواب دیں۔ دوسرا قدم یہ اٹھایا جائے کہ مسلمان مشترکہ لائحہ عمل تیار کریں اور اس کے مطابق اسلامی تعلیمات اور نظریات کو عام کیا جائے۔ اس کی باقاعدہ ویب سائٹس بنائی جائیں۔

انٹرنیٹ کی دنیا میں رہتے ہوئے ہم ایک انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ علماء اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے انٹرنیٹ پر کانفرنس کر سکتے ہیں۔ تبلیغ کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ اور نیوز براہِ راست غیر مسلم ذرائع کی بجائے مسلم ذرائع سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے وہ بہن بھائی جو دور دراز امریکہ اور یورپ وغیرہ میں رہتے ہیں اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں تو کیسے حاصل کریں؟ اس وقت اسلامی مسائل اور ان کے حل پر مشتمل سائٹس کی اشد ضرورت ہے۔ تاکہ کسی بھی مسئلے پر وہ اسلامی تعلیمات سے استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ اس طرح ہم اپنے آپ کو بچاتے ہوئے اُمت مسلمہ کا دفاع کر سکتے ہیں۔ (ان شاءاللہ)

ہر تصویر کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ اگر ہم دیکھیں کہ انٹرنیٹ کے جہاں چند نقصانات ہیں وہاں اس کے ہزاروں فائدے بھی ہیں۔ آج زندگی کا تصور انٹرنیٹ کے بغیر کچھ نہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس کو علم کی ہی ایک شاخ سمجھیں اور لوگوں کو یہ باور کرائیں کہ ہر علم حاصل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ علم تو ''مومن کی گمشدہ میراث ہے'' وہ اسے جہاں بھی پائے ضرور حاصل کرے۔ اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ ''علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔''

# اخلاق حسنہ

## نبوی تعلیم

جناب ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم صاحب

**وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم :بعث لاتمم مکارم الاخلاق.**

**وقال:اکمل المومنین ایمانا احسنھم اخلاقا. وقال: احسنکم ایمانا احسنکم اخلاقا.**

آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مذکور بالا احادیث میں اخلاق حسنہ کی فضیلت واہمیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ان کی مطابق مومن کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا، جب تک وہ اپنے اخلاق درست نہ کرلے۔ حدیث پاک کے مطابق انسانوں میں بہترین ہی وہی ہے جو حسنِ خلق میں متصف ہو۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ میری اس دنیا میں تشریف آوری کا مقصد یہی ہے کہ میں اخلاق کی بلندیوں کی انتہائیں مکمل کردوں۔

اسلام کا مقصود ایسا معاشرہ قائم کرنا ہے جہاں کسی بھی پہلو اور زاویئے سے انسان مرتبہ انسانیت سے نہ گرے، کردار کی کسی خرابی میں مبتلا نہ ہو، اپنے قول وعمل کے ذریعے انسان تو انسان، کسی بھی ذی نفس کے لیے باعث آزار نہ بنے۔

اسلام تو نام ہی عظمت واحترام انسانیت کے دین کا ہے۔اس کے نظریات واصول کی طرح اس کے نام میں بھی امن وآشتی اور سلامتی کا عنصر نمایاں ہے۔اسلام یہ کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ اس کے نام لیوا بد تہذیبی اور بد اخلاقی میں مبتلا رہیں، وہ اخلاقی برائیاں اپنا کر خود اپنے، اپنی اولاد، اپنے خاندان، اپنے معاشرہ، وطن اور ملت کے لیے باعث شرم وعار ثابت ہوں۔

سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اخلاقِ حسنہ کی نشاندہی کی اور انہیں اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

وہیں برے اخلاق کی نشاندہی بھی فرمادی، جو کسی بھی انسان اور بالخصوص ایک کلمہ گو مومن کے لیے بہت ہی ذلت ورسوائی اور ننگ وعار کا باعث بنتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معروف حدیث میں اہم اخلاقی برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

**ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تجسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدامروا. وکونوا عباداللّٰہ اخوانا.**

اس حدیث مبارکہ میں پہلی اخلاقی برائی جس سے اجتناب کا حکم دیا گیا، وہ بدگمانی ہے۔اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ جھوٹی ترین بات ہوتی ہے۔قرآن مجید نے بدگمانی کو گناہ قرار دیا اور فرمایا گیا:**ان بعض الظن اثم.** کچھ گمان گناہ ہوتے ہیں۔

اگر ہم غور کریں تو ہمارے معاشرے کا ہر فرد بلکہ ہم سب ایک دوسرے کے بارے میں حسن ظن کی بجائے سوءِ ظن سے کام لینے کے عادی ہیں۔اور بسا اوقات، بلکہ اکثر محض اپنے گمان اور خیال و تصور کی بناء پر اپنے دوسرے بھائی، دوست اور ساتھی کے بارے میں بے بنیاد فیصلے بھی کر لیتے ہیں۔یہ بدگمانی ہمارے معاشرتی نظام میں نقب تو لگاتی ہی ہے۔ہمارے ذاتی تعلقات اور خود ہمارے کردار اور معاملات کو بھی بری طرح متاثر کرتی ہے۔

دوسری اخلاقی برائی تجسس ہے۔اگرچہ ہمارے معاشرے میں اس برائی کا زور نہیں، مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ جس جس سطح پر یہ موجود ہے اور شخصی آزادی جس کی اسلام ضمانت دیتا ہے کو متاثر کر رہی ہے۔اس سے گریز کیا جانا چاہئے۔البتہ اس حدیث میں مذکور دیگر اخلاقی برائیوں میں سے حسد، باہمی بغض و نفرت اور پیٹھ پیچھے برائی کرنا بہت عام ہے۔

حسد دل کی بیماری ہے جو انسان کے کردار کی تباہی میں پہلے پتھر کی حیثیت رکھتی ہے۔یہ گھن کی طرح انسانی کردار کو چاٹ لیتی ہے اور حدیث کے الفاظ میں نیکیوں کو آگ کی طرح کھا جاتی ہے۔کسی کی نعمت، خوشی اور علم پر رشک کرنا اور ویسا ہی اپنے لیے چاہنا تو جائز ہے، مگر اس جستجو اور خواہش میں مصروف رہنا کہ یہ اس سے چھن جائے، بدترین گناہ ہے۔

بغض اور نفرت اندھیرا ہے، مومن کے دل میں نور ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ سے فرمایا: اگر ہو سکے تو ایسی زندگی بسر کرنا کہ صبح سے شام اور شام سے صبح ہو جائے، ترے دل میں کسی کی بدخواہی نہ ہو۔

یہی میرا طریقہ اور سنت ہے اور میرے طریقے پر عمل کرنا میرے ساتھ جنت میں جائے گا۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی کی زیادتی سے متاثر بھی ہو تو مومن بغض و نفرت پالنے کی بجائے اسے معاف کر دے۔

پیٹھ پیچھے برائی کا دوسرا نام ''غیبت'' ہے۔قرآن مجید میں اسے مردہ بھائی کے گوشت

کھانے سے تعبیر کیا گیا اور اس کی سخت ممانعت فرمائی گی۔ یہ بھی بہت سی برائیوں کی جڑ اور بنیاد ہے۔ بد قسمتی سے بے چارے مرد و زن، عالم و جاہل، افسر و ملازم، تاجر و مزدور بری طرح اس میں مبتلا ہیں اور خوب مزے لے لے کر اپنے مردہ بھائیوں کا گوشت صبح و شام ہر جگہ کھاتے رہتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں اپنے کردار اور جسم و روح سے اٹھنے والے تعفن کو ہرگز محسوس نہیں کر رہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر تعلیمات میں جن اخلاقی برائیوں سے اجتناب کا حکم ہے، ان میں عہد کی خلاف ورزی بھی ہے۔ یہ برائی بھی ہمارے معاشرے میں اس قدر عام ہے کہ احساس زیاں ہی جاتا رہا ہے۔

اس کے بارے میں حکم ہے کہ **ان العھد کان مسئولا**۔ اہل ایمان کا ایمان عہد کی تکمیل اور حفاظت کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتا۔ بد عہدی ہمارا چلن، ہمارا مزاج بنتا جا رہا ہے اور اس کے نتیجے میں ہم بے شمار سماجی برائیوں اور گمراہیوں اور مالی و اخلاقی نقصان کا شکار ہو رہے ہیں۔

ایک اور برائی ''منافقت'' ہے، جس کی طرف توجہ دینا ضروری ہے۔ یہ ایسا معاشرتی سرطان ہے جو انسان کو مرتبہ انسانیت سے گرا رہی ہے۔ اسے بے وقار اور بے اعتبار بنا رہی ہے۔ یہ ہماری رگ و پے میں سرایت کر رہی ہے۔ بظاہر دلکش اور حسین مگر ہمیں اور ہمارے کردار کو اور قوم کو گھن کھائی ہوئی لکڑی کی طرح کھوکھلی اور ناپائیدار بنا رہی ہے۔ قرآن کریم نے یہی فرمایا: **کانھم خشب مسندہ**۔ ''منافق ایسے ہی ہیں جیسے گھن کھاتی ہوئی لکڑی۔''

''بے حیائی اور فحش پسندی'' یہ اخلاقی برائی بھی ہمارے معاشرے میں ناسور بن چکی ہے۔ اس کا گنداب ہمارے گھر، ہماری اولاد، ہمارے خاندان، تمام کی شخصیت و کردار کی تباہی کا الارم بجا رہا ہے۔ مگر ہم اس سے آنکھیں بند کئے، مال و زر کی طلب اور کثرت کی خواہش میں مبتلا ہو کر اپنے گھر، اولاد، کردار کے ساتھ اپنے معاشرے اور قوم و ملت کو بھی داؤ پر لگائے بیٹھے ہیں۔ فحش کلامی، فحش نگاری اور فحش پسندی کا یہ سیلاب ہمیں بہت جلد بہا لے جانے کو ہے۔

یہ تو بڑی بڑی بداخلاقیاں ہیں۔ کچھ بظاہر چھوٹی چھوٹی بداخلاقیاں بھی ہیں جن میں ہم مبتلا ہیں۔ ان میں سلام کا جواب نہ دینا، بداخلاقی سے بات کرنا ہے، مہمان کا احترام کرنا، ہمسائے سے حسنِ سلوک نہ کرنا، خط کا جواب نہ دینا، راستے کے حقوق ادا نہ کرنا، قانون توڑنا وغیرہ شامل ہیں۔

# فتنۂ قادیانیت اور اصحاب اہلِ قلم!

محمد یاسر حبیب

پچھلے دنوں لاہور میں قادیانیوں کی عبادت گاہوں پر دو حملے ہوئے جس میں سو کے لگ بھگ افراد لقمۂ اجل بن گئے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حملے خواہ کسی پر ہوں، ان حملوں کی مذمت کی جانی چاہیے اور وہ عناصر جو اس قبیح فعل میں ملوث ہیں ان کو پکڑ کر قرار واقعی سزا دینی چاہئے، حکومت ،اپوزیشن اور تمام مکاتبِ فکر کی جانب سے ان حملوں کی مذمت کی گئی ہے، اس کے ساتھ ہی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جانب سے بھی ان حملوں کی پرزور مذمت کی گئی اور یہ باور کرایا گیا کہ قادیانیوں سے ہمارا اختلاف دلیل و برہان کی سطح پر ہے، اور یہ کہا گیا ہے کہ ہم قادیانیت کے خلاف ہیں قادیانیوں کے نہیں، ہماری جدوجہد پرامن ہے، اس سلسلے میں تمام مکاتب فکر کی جانب سے حکومتِ وقت سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا ہے کہ ایسے قبیح فعل میں ملوث افراد کو پکڑ کران کو بے نقاب کیا جائے اور انہیں سزا دیجائے۔

اس حملے کے بعد ردِعمل کے طور پر ایسے بیانات آنا شروع ہو چکے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قادیانیوں پر ہونے والے یہ حملے اور ان کے پیچھے چھپے مقاصد کچھ اور ہیں، جس میں بیرونی طاقتیں ملوث ہیں، جن کا مقصد جنرل ضیاء الحق شہید کے دور میں پاس ہونے والے امتناع قادیانیت آرڈیننس کو ختم کرنا ہے، مقامِ حیرت ہے کہ ان حملوں پر شور مچانے والے لوگ وہ ہیں، جن کا مقصد دین اسلام کو بدنام کرنا اور اقوامِ عالم کو یہ باور کرانا ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ انتہائی درجے کا ظلم ہوتا ہے، انہیں معاشرے میں جینے کا حق نہیں دیا جاتا،

اس پر مستزاد یہ کہ ہمارا میڈیا جس کی اخلاقی ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ وہ عوام کے سامنے غیر جانبدار ہو کر حقائق کو پیش کرے، لیکن شومئی قسمت کے میڈیا کے بعض اینکر پرسن ایسے ہیں جو اس واقعہ کے بعد جانبداری کا ثبوت دیتے رہے، جس سے اس تاثر کو جلاء ملتی ہے کہ ہمارا میڈیا اس وقت اقوام مغرب کی پالیسیوں پر عمل کرتے ہوئے حقائق کو مسخ کر کے پیش کر رہا ہے، جس کی وجہ سے عوام کے ایک بڑے طبقے میں تشویش پائی جاتی ہے اور اس موقع پر علماء، اربابِ دین اور دین دار مسلمانوں کا

تشویش میں مبتلا ہونا بھی ایک فطری امر ہے، اور یہ جاننا ضروری ہے کہ ان حملوں کو پیچھے ایسے کون سے عناصر ملوث ہیں اور ان کے مقاصد کیا ہیں۔

7 ستمبر 1974ء میں قادیانیوں کی دونوں جماعتوں (لاہوریوں، قادیانیوں) کو پاکستان میں غیر مسلم قرار دیا گیا اور اس کے بعد سابق صدر جنرل ضیاء الحق شہیدؒ کے دور میں 1984ء میں امتناع قادیانیت آرڈیننس کا نفاذ ہوا جس کی رو سے قادیانی جماعت اور اس کے ماننے والوں کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ وہ اپنے لیے ایسے کوئی الفاظ استعمال نہیں کر سکتے جن کا تعلق خالص اسلامی شعائر کے ساتھ ہو، اس آرڈیننس کے نفاذ کے ساتھ ہی وہ بیرونی طاقتیں سب سے زیادہ پریشانی کا شکار ہوگئیں جن کا مقصد مسلمانوں کو دین سے دور کرنا اور مسلمانوں کی نوجوان نسل کو ورغلا کر انہیں ملحد بنانا تھا چنانچہ اس آرڈیننس کے نفاذ کے بعد سے لے کر اب تک ان جماعتوں کی کوشش یہی رہی ہے کہ کسی طرح اس قانون میں ترمیم کی جاسکے تاکہ وہ لادین عناصر اپنے مقاصد کی تکمیل کرسکیں جن کا مقصد اول ہی یہی ہے کہ

آج کی نوجوان نسل کے سینوں سے جناب نبی اکرم ﷺ کی محبت کو نکالا جاسکے، اس لیے کہ ہمارا دشمن اس بات سے واقف ہے کہ وہ اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک مسلمانوں کے دلوں میں جذبۂ عشق نبی موجود ہے، لہٰذا جذبۂ عشق نبی کو نکالنے کے لیے انگریزوں نے ہندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی کو تیار کیا، جس نے ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے نبوت کا دعویٰ کیا اور انگریزوں کی سرپرستی میں اس نے کئی تصنیفات تیار کیں، لیکن غیرت و عشق بھی کوئی چیز ہوتی ہے، ناموس رسالت کے پروانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے ہر محاذ پر ختم نبوت کا دفاع کیا اور دلیل و برہان کے ذریعے ان کے باطل نظریات کو عوام کے سامنے لاکر ان کی سازشوں کو بے نقاب کیا، جس کے نتیجے میں ان قادیانیوں کو پاکستان کی تاریخ ساز قومی اسمبلی نے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا گیا۔

پچھلے دنوں ایک معروف ویب سائٹ بی بی سی اردو ڈاٹ کام پر جناب محمد حنیف صاحب کا ایک کالم ''کافر فیکٹری'' کے عنوان سے شائع ہوا جس کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں موصوف فرماتے ہیں کہ:

ایک چھوٹے سے فرقے سے (جسے باقی مسلمانوں کی طرح نمازیں پڑھنے، داڑھیاں رکھنے اور خطبے سننے کا بہت شوق ہے) اتنا خوف کیوں؟ ہمارے ایمان کو السلام

وعلیکم کہنے والوں، بسم اللہ پڑھنے والوں، مسجدوں میں نماز قائم کرنے والوں سے اتنا خطرہ کیوں، کہ اگر وہ سلام، بسم اللہ اور مسجد جیسے الفاظ بولیں یا لکھیں تو سیدھے جیل میں۔

آگے چل کر موصوف لکھتے ہیں کہ:

قیام پاکستان سے پہلے محمد علی جناح نے ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم چاہتے ہیں کہ یہ ملک ایسی لیبارٹری ہو، جہاں اسلامی نظریات پر تجربات کیے جاسکیں (قائداعظم کا یہ قول معاشرتی علوم اور تاریخ کی ہر دوسری کتاب میں ہر اسکول میں پڑھایا جاتا ہے)۔

لیبارٹری میں جو تجربات کامیاب ہوتے ہیں، اس کے بعد ان کی پروڈکشن بڑے پیمانے پر شروع ہوجاتی ہے۔ ستر کی دھائی میں ہم نے نئے نئے کافر تیار کرنے کا جو کامیاب تجربہ کیا تھا، وہ وہیں نہیں رکا اسی اور نوے کی دھائی میں کئی مسجدوں سے نعرے اٹھے، کافر کافر شیعہ کافر اور ملک کے طول وعرض میں شیعہ ڈاکٹر، استاذ، وکیل، تاجر، دانشور چن چن کر اتنی بے دردی سے قتل کیے گئے کہ احمدی بھی کہہ اٹھے ہوں گے کہ شکر ہے ہم کافر ہیں شیعہ نہیں۔ (کافر فیکٹری، محمد حنیف، بی بی سی اردو ڈاٹ کام)

موصوف کا یہ کالم بظاہر قادیانیوں سے ہمدردی اور ان سے دکھ کا بھرپور اظہار کرتا ہے، یقیناً پورا پاکستان اس طرح کی دہشت گردی کی مخالفت کرتا ہے اور ہمارے علم کے مطابق کوئی بھی صاحب دل ان واقعات کی حمایت نہیں کرسکتا، موصوف کا خیال یہ ہے کہ ستر کی دھائی میں علمائے کرام نے لوگوں پر کفر کے فتوے لگانا شروع کیے جس کے نتیجے میں قتل وغارت گری کا آغاز ہوا،

اگر موصوف کا یہ نقطۂ نظر تسلیم کرلیا جائے تو پھر جرنلسٹوں اور صحافیوں کو بھی قاتل اور دہشت گرد ماننا پڑے گا اس لیے کہ وہ آئے روز اپنے کالموں اور اخباری صفحات میں قتل وغارت گری کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، مگر کوئی بھی ذی شعور شخص، جرنلسٹ اور صحافیوں کو ان خبروں کے شائع کرنے کی وجہ سے قاتل اور دہشت گرد نہیں کہتا کیونکہ وہ کسی کو قتل یا دہشت گردی نہیں کرتے بلکہ قتل اور دہشت گردی کی خبریں شائع کرتے ہیں، اسی

طرح علمائے کرام جن پر یہ تہمت لگائی جاتی ہے کہ وہ لوگوں کو کافر بناتے ہیں وہ درحقیقت کسی کو کافر بناتے نہیں بلکہ کافر کے کفر کو ظاہر کرتے ہیں لہٰذا علماء کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے کفر کی فیکٹریاں کھولی ہوئی ہیں سراسر لغو اور بے بنیاد ہے حقیقتِ حال یہی ہے کہ علماء ان دین دشمن عناصر کی نشاندہی کرتے ہیں جنہوں نے کفر کی فیکٹریاں کھولی ہوئی ہیں۔ اگر کسی کو ان مصلحینِ امت اور عوام کے خیر خواہوں پر اعتراض ہے تو وہ اپنی عقل کا ماتم کرے کیونکہ وہ کسی دین دشمن اور لادینی قوتوں کا آلۂ کار بن رہا ہے۔ اسی طرح شاید موصوف اس بات سے بھی بے خبر ہیں کہ پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی کا شکار صرف شیعہ حضرات ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ وہ بیسیوں سنی علماء کرام، صحافی، ڈاکٹر ،اور دیگر طبقے کے افراد بھی شہید کیے جاتے رہے ہیں۔

موصوف شاید اس بات سے بھی بے خبر ہیں کہ شیعہ حضرات کے معتبر عالم جناب عباس کمیلی بھی واضح طور پر یہ کہہ چکے ہیں تمام فقہوں کے علماء کرام کا یہ مشترکہ فتویٰ اور اجماع ہے کہ قادیانی حضرات غیر مسلم ہیں جس میں کوئی ابہام یا شک کی کیفیت نہیں مگر ان پر حملہ یا تشدد جائز نہیں۔

موصوف کا یہ کالم قادیانی حضرات سے ہمدردی پر مبنی ہے مگر درحقیقت موصوف کا یہ کالم اپنے اندر کس قدر زہر لیے ہوئے ہے، بادی النظر میں شاید اس کا اندازہ کسی کو نہ ہو مگر حقیقت یہی ہے کہ موصوف کا یہ کالم یہود و نصاریٰ کے ان جذبات کی صحیح عکاسی اور ترجمانی کرتا ہے جن کا مقصد مسلمانوں سے دینی حمیت اور ملی غیرت کا جنازہ نکالنا ہے، تاکہ آئندہ کوئی بھی مسلمان آنخضرت ا کی ناموس رسالت پر قدغن لگانے والوں کے خلاف کلمۂ حق بلند نہ کر سکے۔

ہم نہیں جانتے کہ موصوف کالم نگار کا یہ مضمون قادیانی حضرات پر ہونے والے حملوں پر دکھ کا اظہار ہے یا قادیانیوں کے کافر قرار دیئے جانے پر موصوف کو اعتراض ہے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ موصوف کے کالم میں بعض باتیں ایسی ہیں جو از روئے شریعت نہ صرف غلط ہیں بلکہ آئینِ پاکستان سے بھی غداری کے مترادف ہیں، جس میں صراحتاً اس بات کا ذکر موجود ہے قادیانیوں کو مسلمان کہنا یا مسلمان سمجھنا اور اسی طرح ان کی عبادت گاہوں کو مساجد کہنا اور ان کے متعلق مسلمانوں کے ساتھ مخصوص اصطلاحات کا استعمال کرنا درست نہیں، یہاں پر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ موصوف کو قادیانیوں پر ہونے والے حملہ تو اعتراض ہے لیکن مسلمانوں کی دل آزاری کا خیال نہیں، اس لیے کے

ان کے عقائد کی وجہ سے مسلمانوں کی جو دل آزاری ہوتی ہے وہ بھی موصوف کے محل نظر ہونی چاہیے کیونکہ ایک مسلمان کی نظر میں رسالت مآب ا کی عظمت اپنے مال واسباب سے کہیں زیادہ ہے۔

بہرحال ہمارا حسنِ ظن یہی ہے کہ موصوف قادیانی حضرات کے کفر میں شک نہیں کرتے ہوں گے لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو ہمارا مشورہ یہی ہے کہ موصوف قادیانی لٹریچر کا بغور مطالعہ کریں تاکہ ان پر یہ واضح ہوسکے آپ ا نبوت میں کسی کو شریک ٹھہرانے سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، اس لیے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ جو شخص آپ ا کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے تو اس سے دلیل مانگنے والا بھی کافر ہے۔

چونکہ یہ فتنہ ہندوپاک سے اٹھا لہٰذا اس کی تمام حقیقت سے واقفیت علماء ہندوپاک کو ہی تھی اسی بناء پر ان حضرات نے ان کے کفر کا فتویٰ جاری کیا اور پھر جب اس فتنہ کی بازگشت دیگر اسلامی ممالک میں پہنچی تو کسی نے بھی ان کے کفر میں توقف نہیں کیا، اور چونکہ فتنۂ قادیانیت کی داغ بیل پاکستان میں تھی اسی لیے امتناع قادیانیت آرڈیننس اسلامی جمہوریہ پاکستان سے جاری ہوا، اور اس کی تائید دیگر ممالک کے بے شمار علماء کرام نے بھی کی ہے۔

لہٰذا یہ کہنا کہ دیگر ممالک کو خیال نہیں آیا یا یہ کہ دیگر ممالک میں سے کسی ملک میں بھی ان کے خلاف قانون سازی نہیں ہوئی تو وہ اس لیے کہ یہ فتنہ ان ممالک میں اپنی آبیاری نہیں کرسکا، جس کی بنیاد پر وہاں کوئی قانون نہیں بن سکا۔

آخر میں اتنا ضرور عرض ہے کہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ رب کی طرف سے دی ہوئی جان اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے صدقے ملنے والے ایمان کا تقاضہ تو یہ تھا کہ موصوف کا قلم رسالتِ مآب ﷺ کی حمیت میں رواں ہوتا لیکن رب العالمین کی رحمت کسی کی جاگیر نہیں اور کسی لینڈ لارڈ کے زیرِ تسلط نہیں جو اپنی مرضی سے بیجا استعمال ہوسکے۔

قادیانیوں پر ہونے والے حملے سے اس خدشے کو بھی تقویت ملتی ہے کہ اس حملے کی آڑ میں قادیانیوں کو مظلوم بنا کر سب سے پہلے امتناع قادیانیت آرڈیننس کو ختم کیا جائے گا اور پھر اگلے مرحلے میں قادیانیوں کا فر قرار دیے جانے کا قانون بھی ختم کردیا جائے گا، اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام متحد ہوکر دین دشمن عناصر کی ان سازشوں کو ناکام بنادیں تاکہ آئندہ کوئی شخص رسالت مآب ﷺ کی ناموس پر ہاتھ نہ ڈال سکے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ روزِ محشر آقائے نامدار ﷺ کے سامنے ہماری لاج رکھ لے اور پاسداران ختم نبوت میں ہمارا شمار فرمائے، آمین۔

# مسلمانوں! ہوشیار رہو، اپنا ایمان بچاؤ

کچھ عرصہ سے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں میں کچھ ناسمجھ افراد یورپی ممالک میں جاکر سیاسی پناہ حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو قادیانی ظاہر کر کے وہاں کے محکموں میں بیان حلفی داخل کراتے ہیں۔اس کے پیچھے قادیانی لابی متحرک ہے۔اس پر ہمیں کئی دفع لوگوں نے سوالات بھیجے ہیں

(۱)۔کیا ایسا شخص مسلمان رہ جاتا ہے؟

(۲)۔کیا ایسے شخص کے ساتھ کسی مسلمان لڑکی کا نکاح کیا جاسکتا ہے؟

(۳) اگر ایسا شخص پہلے سے شادی شدہ ہے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہی یا نہیں، وہ اب کیا کرے؟

(۴)۔کیا ایسے شخص کی توبہ قبول ہوسکتی ہے، اگر ہوسکتی ہے تو اس کی کیا شکل ہے؟

## جواب

(۱)۔امت مسلمہ اور پاکستان اسمبلی کے متفقہ فیصلے کے مطابق قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں۔ان پر وہی احکام لاگو ہوتے ہیں جو کہ دوسرے تمام غیر مسلم لوگوں پر ہوتے ہیں۔لہذا اگر کوئی شخص جناب محمد ﷺ کی ختم نبوت کا اقرار کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو غیر کے سامنے قادیانی ظاہر کرتا ہے تو ایک طرح سے علی الاعلان وہ عقیدہ ختم نبوت کا منکر ہے، وہ شخص نہ صرف دائرہ اسلام سے خارج ہے بلکہ مرتد بھی ہے۔

(۲)۔کسی بھی غیر مسلم اور خصوصاً مرتد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص شادی کے بعد قادیانی ہوگیا تو اس کی بیوی کا نکاح بروئے شریعت باقی نہیں رہا۔وہ عورت اس مرتد سے طلاق لیے بغیر عدت پوری کر کے دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔

(۴) ایسے شخص کی توبہ عام طریقہ سے قبول نہیں۔اس کی توبہ صرف اس شکل میں قبول ہوسکتی ہے کہ وہ اسی محکمہ میں جائے جس میں اس نے پہلے اپنے آپ کو قادیانی بنا کر پیش کیا تھا۔یہ کہے کہ میں نے آپ کے محکمے سے یہ جھوٹ بولا تھا کہ میں قادیانی ہوں۔اب میں وضاحت کرتا ہوں کہ میں قادیانی نہیں ہو۔اس کے بعد وہ توبہ کرے۔اس کے بغیر توبہ قبول نہیں۔کیونکہ قادیانی ہر سال اسی قسم کے محکموں سے لوگوں کے قادیانی ہونے کی تصدیق کروا کر دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے اپنی رپورٹ شائع کرتے ہیں کہ دیکھو اس سال اتنے لوگ قادیانی ہوگئے ہیں۔

منجانب۔ ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی، فیصل آباد
مولانا حاجی اکرم شاد رحمہ اللہ

MONTHLY MAGAZINE
Millia
JAMIA MILLIA ISLAMIA
FAISALABAD PAKISTAN
Reg:M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@hotmail.com Fax # 041-8724335